تبلیغی جماعت

اور

اصلاح نفس

بہر حال اصلاح نفس کے چار جز اور چار طریقے ہیں اور تبلیغ کے اندر حسنِ اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہوگئے ہیں (۱) صحبت صالح بھی ہے ذکر وفکر بھی ہے، (۲) مواخاۃ فی اللہ بھی ہے (۳) دشمن سے عبرت وموعظت بھی ہے (۴) محاسبۂ نفس بھی ہے، اور انہی چاروں کے مجموعہ کا نام تبلیغی جماعت ہے، عام لوگوں کے لئے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا (ص ۳۲)

خطاب

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

مہتمم دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مدرسہ دعوۃ الحق دار الیتامی والمساکین 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

فہرست مضامین تبلیغی جماعت اور اصلاح نفس

شمار	مضامین	صفحہ
۱	مختصر تعارف حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ	5
۲	تمہید	7
۳	ایک غور طلب حقیقت	8
۴	انسان کی قدر و قیمت اوصاف سے ہے	11
۵	حقیقتِ آدمیت	13
۶	کمالاتِ انسانی (کیلئے چار طریقے)	16
۷	(۱)۔ صحبتِ اہل اللہ	16
۸	فیض صحبتِ نبوی ﷺ	17
۹	علم حقیقی	19
۱۰	(۲)۔ مواخاۃ فی اللہ	20
۱۱	انتخاب دوست	22
۱۲	(۳)۔ دشمن کے ذریعہ اصلاح	24
۱۳	(۴)۔ محاسبۂ نفس	24
۱۴	تبلیغی جماعت اصلاحی طریقوں کی جامع ہے	25
۱۵	جماعت کی برکات	26
۱۶	نیک نیتی کا اثر	27

صفحہ	مضامین	شمار
27	تبلیغی بھائی	۱۷
29	جماعت میں دشمنوں سے عبرت کا موقع	۱۸
29	تبلیغ میں محاسبہ	۱۹
30	تبلیغ اور اصلاح	۲۰
30	اعتراضات اور ان کا اصولی جواب	۲۱
31	مقصدِ تبلیغ	۲۲
32	خود چل کر اس کام کے فائدہ کو دیکھنا چاہئے	۲۳
33	بے جا اعتراض	۲۴
35	اعتراض کی حقیقت	۲۵
36	انعامِ خداوندی	۲۶
36	خلاصہ	۲۷

مختصر تعارف

حکیم الاسلام حضرت مولانا **قاری محمد طیب** صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند وخلیفۂ حضرت حکیم الامت تھانوری رحمۃ اللہ علیہ

بقلم فضل الرحمٰن اعظمی آزادول جنوبی افریقہ

ولادت ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء وفات ۶/شوال ۱۴۰۳ھ ۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء
(عمر شریف ۸۸ سال)

آپ ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، اور ۱۳۳۷ھ میں فارغ ہوئے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور مولانا محمد احمد صاحبؒ کے لختِ جگر تھے، حضرت نانوتویؒ دارالعلوم کے بانیین میں سے ہیں اور مولانا محمد احمد صاحبؒ تیس (۳۰) سال سے زائد تک دارالعلوم کے مہتمم رہے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ ۱۳۴۸ھ سے ۱۴۰۲ھ تک یعنی چون (۵۴) سال دارالعلوم کے مہتمم رہے اور اس سے قبل پانچ (۵) سال نائب مہتمم تھے، اس طویل عرصہ میں ہزار ہا علماء کرام دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔

آپ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی تھی اور خوب استفادہ کیا تھا، حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، لیکن حضرت شیخ الہند اس کے ۵-۶ ماہ بعد راہی ملک بقاء ہو گئے تو حضرت کشمیریؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، کیونکہ حضرت کشمیریؒ کا مقام تصوف واحسان میں بھی بہت بلند تھا، حضرت گنگوہیؒ سے اجازتِ بیعت حاصل تھی، حضرت کشمیریؒ جب ڈابھیل

چلے گئے تو حضرت تھانویؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ، بیعت ہوئے اور کچھ مدت کے بعد خلافت سے نوازے گئے ، اور بہت سے لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا .

حضرت قاری صاحب علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد علوم قاسمیہ کے سب سے بڑے امین تھے ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم سے بڑی مناسبت تھی اسلئے اپنے بیانات اور مواعظ میں باریک باتوں کو بہت لطیف پیرایہ میں سمجھاتے تھے ، وعظ میں جوش وخروش نہیں تھا لیکن بیان بہت حکیمانہ ہوا کرتا تھا ۳۔۳ ، ۴۔۴ گھنٹے تک لوگ شوق سے آپ کا بیان سنتے تھے ، اس بناء پر آپ کو حکیم الاسلام کا خطاب ملا .

حضرت قاری صاحبؒ کی بہت سی تصانیف بھی ہیں : جیسے مقامات مقدسہ اور اسلام کا اجتماعی نظام ، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات ، علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج وغیرہ ، حضرت کے خطبات اور مجالس بھی شائع ہوچکی ہیں ، خطبات کے مجموعہ میں سے تین خطبات جو تبلیغی جماعت سے متعلق ہیں ہم شائع کر رہے ہیں ، اپنے خاص حکیمانہ انداز میں حضرتؒ نے کام کی اہمیت اور افادیت کو خوب سمجھایا ہے ، امید ہے کہ اس سے امت کو بہت فائدہ ہوگا ، **و ما ذلک علی اللہ بعزیز**

اس مجموعہ میں حضرت قاری صاحبؒ کے تین بیانات ہیں :

(۱)۔ تبلیغی جماعت اور اصلاح نفس ، سہارنپور کے ایک اجتماع میں یہ بیان ہوا (ص ۷)

(۲)۔ تعلیم وتبلیغ (ص ۳۹) (۳)۔ جماعتی تبلیغ (ص ۵۳)

حضرت قاری صاحب کے تذکرہ کیلئے دیکھئے (تذکرۃ الطیب) مرتبہ مولانا ابوبکر غازیپوری زید فضلہ اور مجالس حکیم الامت کا مقدمہ

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول جنوبی افریقہ ۱۷۵۰ ۵/آزاد اوین یو

۴/محرم ۱۴۳۳ھ ۳۰/نومبر ۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغی جماعت اور اصلاح نفس

الحمد للّٰہ نَحمَدُہ و نَستعینہ و نَستغفِرُہ ونُؤمِنُ بہ و نَتوکّل علیہ ، ونعوذُ بـالـلّٰہ من شُرورِ أنفسِنا و من سیئآتِ أعمالِنا ، مَن یھدہ اللّٰہُ فلا مُضلَّ لہ و مَن یُضلِلْہ فلا ھادیَ لہ ، و نَشھد أن لا الٰہ الا اللّٰہ وحدَہ لا شریکَ لہ ، ونشھد أن سیـدَنـا و سندَنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ ، أرسلہ اللّٰہ الی کافۃٍ للنّاس بشیرًا و نذیرًا ، و داعیاً الی اللّٰہ باذنہ و سراجاً منیراً ، صلی اللّٰہ علیہ و علی آلہ و أصحابہ و بارَکَ و سلَّم تسلیماً کثیرًا کثیرًا . أما بعد ________

تمہید :

بزرگانِ محترم ! اس وقت تبلیغی سلسلہ کے چند مقاصد آپ حضرات سے گزارش کرنے ہیں ، وہ مقاصد اور باتیں کوئی نئی نہیں ہونگی ، ہاں عنوان کا فرق ہوگا ، میں چاہتا ہوں کہ ان مقاصد سے پہلے بطور تمہید ایک اصول عرض کروں ، اصول سمجھ میں آجانے کے بعد مقاصد خود بخود سمجھ میں آجائیں گے .

اصول یہ ہے کہ اس دنیا کو اللہ تعالی نے عالمِ اضداد بنایا ہے ، ہر اصل کے مقابلہ میں اس کی ایک ضد رکھی ہے ، اور ہر اصل کا تصادم اپنی ضد سے برابر ہوتا رہتا ہے ، آپ دیکھتے

عالمی تبلیغی اجتماع سہارنپور منعقدہ ۷/جون/۷۱ء بروز شنبہ بعد مغرب اسلامیہ انٹر کالج میں بیان ہوا

ہیں کہ اسلام کے مقابلہ میں کفر ہے، توحید کے مقابلہ میں شرک ہے، اخلاص کے مقابلہ میں نفاق ہے، سچ کے مقابلہ میں جھوٹ ہے، ظلمت کے مقابلہ میں نور ہے، دن کے مقابلہ میں رات ہے، اسی طرح دنیا کے اندر خیر وشر، بھلائی اور برائی بھی ملی جلی چل رہی ہیں، اس دنیا کو نہ صرف خیر کا عالم کہہ سکتے ہیں، اور نہ صرف شر کا، خیر محض اور راحتِ محض یہ عالمِ جنت ہے، تکلیفِ محض اور برائی محض یہ جہنم کا عالم ہے، اس دنیا کو جنت وجہنم دونوں سے مرکب کر کے بنایا گیا ہے، اسلئے یہاں خیر وشر دونوں ہی کے آثار موجود ہیں.

ایک غور طلب حقیقت:

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شر و برائی اس عالم میں اصلی ہے، اور یہ خود بخود چیزوں کے اندر پیدا ہوجاتی ہے، مگر بھلائی محنت کر کے لانی پڑتی ہے، تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ آدمی محنت کرتا ہے بھلائی پیدا ہوجاتی ہے اور اگر محنت نہیں کرتا تو برائی خود بخود ابھر کر سامنے آجاتی ہے، مثال کے طور پر کھانا ہے، اس کو خوش رنگ، خوشبودار اور خوش ذائقہ باقی رکھنے کے لئے نعمت خانہ بنوانا پڑتا ہے، اسے ہوادار کمرے میں رکھنا پڑتا ہے، تب کہیں کھانا اپنی خوبیوں کے ساتھ باقی رہے گا، لیکن اگر یہ محنت نہ کی جائے تو کھانا خود بخود سڑ جائے گا، خراب ہوجائیگا، اس کے اندر بدبو پیدا کرنے کیلئے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوگی.

اسی طرح ایک باغ ہے، اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ سرسبز ہو، چمن بندی ہوئی ہو، پھول کھلے ہوئے ہوں، اسکا منظر نگاہوں کو اچھا معلوم ہوتا ہو، دیکھنے سے آنکھوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہو، سونگھنے سے ناک میں خوشبو آتی ہو، مگر یہ ساری خوبیاں اس وقت پیدا ہونگی جب کہ آپ مالی رکھیں گے، ہالی رکھیں گے، اور وہ برابر باغ کی دیکھ بھال کرتے رہیں، درختوں کی جڑوں کو صاف کریں، اس کو پانی دیں، جہاں مناسب سمجھیں کتر بیونت کریں،

لیکن اگر آپ باغ کو جھاڑ جھنکار بنانا چاہیں تو اس کے لئے آپ کو نہ تو کسی مالی رکھنے کی ضرورت ہوگی اور نہ کسی ہالی وموالی رکھنے کی ضرورت، بس بنانے کی محنت چھوڑ دیجئے تو خود بخود ہی چند دنوں میں باغ کی ساری سرسبزی وشادابی ختم ہوجائے گی.

ایسے ہی مکان ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ صاف ہو، ستھرا ہو، خوش رنگ ہو، دیدہ زیب ہو، ڈیزائن اچھا ہو، ان سب کیلئے آپ کو محنت کرنی پڑیگی، ماہر وتجربہ کار معمار لانے پڑیں گے، پھر مکان بن جانے کے بعد فرّاش رکھنا ہوگا جو برابر اس کو جھاڑتا پونچھتا رہے تب جا کر یہ خوبیاں برقرار رہیں گی، لیکن اگر آپ مکان کو ویران بنانا چاہیں، اسے اجاڑنا چاہیں تو کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوگی، اسکے صحیح رکھنے پر آپ جو محنت صرف کر رہے تھے، اسے چھوڑ دیجئے، چند دن کے بعد گرد آئے گی پھر پلاستر اُکھڑے گا، پھر اینٹیں جھڑیں گی، پھر چھت گرے گی، پھر دیواریں آپڑیں گی، اور اس طرح مکان کھنڈر ہوجائیگا.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی اور شر کائنات کی ہر ہر چیز کی ذات کے اندر موجود ہے، انسان محنت کرتا ہے تو خیر آجاتی ہے، نہیں کرتا تو شر خود بخود ابھر آتا ہے، یہ اس عالم کا ایک طرز ہے، اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے چونکہ اس عالم کا ایک بڑا فرد انسان بھی ہے لہذا اس کیلئے بھی اس اصول اور اس قاعدہ سے جدا ہونا ممکن نہیں، چنانچہ بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ برائی ہر انسان کی ذات میں موجود ہوتی ہے اور بھلائی لانی پڑتی ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے آپ اس کی تربیت کرتے ہیں تعلیم دیتے ہیں تب جا کر وہ انسان بنتا ہے اور اگر یہ آپ محنت نہ کریں تو اس کے اندر جو برائیاں ہیں ان کو بروئے کار لانے کیلئے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوگی، خوبیاں پیدا کرنے کیلئے، عالم بنانے کیلئے سینکڑوں ادارے ہیں، مدرسے ہیں، مگر کیا جاہل بنانے کیلئے بھی آپ نے کوئی مدرسہ دیکھا، جاہل تو انسان بنا بنایا پیدا ہوا ہے، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: واللّٰهُ أَخرَجَكُم مِن،

بُطونِ أمهاتكم لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والأبصار والأفئدة لعلكم تشكرون . (النحل : ۷۸)

اللہ تبارک وتعالی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم ذرہ برابر علم نہیں رکھتے تھے، اور پھر تمہارے اندر سننے کی طاقت رکھدی تاکہ سن سن کر علم حاصل کرو، دیکھنے کی طاقت رکھدی تا کہ دیکھ دیکھ کر علم حاصل کرو، تدبر وتفکر کی قوت رکھدی تا کہ اس کے ذریعہ معلومات میں اضافہ کرو.

معلوم ہوا کہ اللہ تعالے ہر انسان میں علم کی استعداد وصلاحیت تو رکھتے ہیں مگر کوئی ماں کے پیٹ سے علم وہنر لے کر نہیں آتا.

یہ تو انسان کے علم کا حال ہے اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں موجود ہے: **وما أبرئ نفسي انّ النفس لأمّارة بالسوء** (یوسف : ۵٤)، میں اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا اس وجہ سے کہ نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے .

معلوم ہوا کہ نفس انسانی میں ذاتی طور پر شر موجود ہے اسلئے وہ انسان کو برے اعمال ہی کی طرف لے جائے گا، آپ اسکی تربیت کریں گے تو بن جائے گا اور بھلائی کی طرف آجائے گا ورنہ برائی پیدا ہونے اور اسکی تربیت کیلئے کسی کالج اور مدرسہ کی ضرورت نہیں ہوگی؟ خوب کہا ہے کسی شاعر نے کہ ؎

قرنہا باید کہ تا یک سنگ خار از آفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

یعنی ایک پتھر کا بے قیمت ٹکڑا جب سالہا سال اور قرن ہا قرن دھوپ میں پڑا رہتا ہے، آفتاب کی تپش اور اس کی گرمی کو برداشت کرتا ہے تب جا کر ایک با قیمت لعل بنتا ہے.

ماہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ بعد کشت — جامہ گردد شاہدے را یا شہیدے را کفن

ایک بنولے کا دانہ محبوب کے بدن کی زینت بنے اس کیلئے مہینوں کی مدت درکار ہوتی ہے، آدمی زمین پر محنت کرتا ہے، اس میں ہل چلاتا ہے، اسے کھیتی کے قابل بناتا ہے، پھر بیج کو زمین بوس کردیتا ہے، اس کے بعد اس سے کونپل نکلتی ہے، درخت بنتا ہے، روئی بنتی ہے، اسے توڑ لیا جاتا ہے، پھر مل میں بھیجا جاتا ہے، اس کی دُھنائی ہوتی ہے، صفائی ہوتی ہے سوت بنتا ہے، پھر کپڑا تیار ہوتا ہے، اور پھر درزی اسکی قطع وبرید کرتا ہے، ان تمام مراحل سے گزر کر پھر کسی محبوب کا جامہ بنتا ہے، ورنہ تو بنولے کی کوئی قیمت نہیں تھی، زیادہ سے زیادہ کسی بھینس کے منہ میں چلا جاتا، آگے کہا ہے ؎

سالہا باید کہ تا یک کودکے از درس علم — عالمے گردد نکو یا شاعر شیریں سخن

یعنی ایک ناداں اور چھوٹا بچہ جب سالہا سال کسی مکتب اور مدرسہ میں پڑھتا ہے، استاد کی مار اور سختیاں برداشت کرتا ہے اس کے بعد جا کر یا وہ عالم بنتا ہے یا شاعر.

تو عالم اور خوش اخلاق بنانے کیلئے سالہا سال کی مدت درکار ہوتی ہے، مدرسے قائم کئے جاتے ہیں، معلمین اور ملازمین رکھنے پڑتے ہیں تب جاکے آدمی آدمی بنتا ہے، لیکن جاہل اور بداخلاق بنانے کیلئے نہ تو کہیں مدرسہ قائم کیا جاتا ہے اور نہ کوئی ادارہ .

حاصل یہ کہ کسی چیز کو قیمتی بنانے کیلئے وقت درکار رہتا ہے، محنت کی ضرورت پڑتی ہے مگر بے قیمت بنانے کیلئے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوتی .

انسان کی قدر وقیمت اوصاف سے ہے

آپ جانتے ہیں کہ اللہ میں بالذات خوبیاں ہیں، کمالات ہیں، اور مخلوق میں ذاتی طور پر خوبی وکمال نام کی کوئی چیز نہیں، اور یہ بھی مسلمہ قاعدہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز کی قدر وقیمت اوصاف سے ہوتی ہے، جس شیء کے اندر اوصاف زیادہ ہوں گے اس کی اسی قدر

تو قیر ہوگی، عزت ہوگی اور اسی اعتبار سے اسے بلند مرتبہ اور مقام حاصل ہوگا، ایک شخص عالم ہے اسکی آپ عزت کرتے ہیں اسکے علم کی وجہ سے، اور اگر وہی آپ کا استاد بھی ہو تو عزت کا ایک درجہ بڑھ جائے گا، اور اگر اتفاق سے وہی آپ کا حاکم بھی ہو تو اسکی عزت کا ایک درجہ اور بڑھ جائے گا.

حاصل یہ کہ انسان کے اندر جس قدر اوصاف بڑھتے جائیں گے اس کی قدر و قیمت اور عزت و وقار میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ بالذات انسان میں کوئی کمال نہیں، کمال ایک عارضی شیء ہے جو محنت کر کے لایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ بچے کی تربیت کرتے ہیں تعلیم دیتے ہیں اور اگر وہ تعلیم سے جی چُراتا ہے تو لالچ دلاتے ہیں، اسلئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ بچہ کسی ہنر اور کمال کا مالک بن جائے.

بہرحال اتنا تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس دنیا میں ہر چیز کی قدر و قیمت اس کے اوصاف سے ہوتی ہے، حضراتِ انبیاء کی ذات بلاشبہ مقدس ہے اور ان میں بھی سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مقدس بابرکات تو حد درجہ متبرک ومقدس ہے، لیکن یہ سارے کا سارا تقدس نبوت ورسالت ہی کی وجہ سے ہے اور اسی منصبِ رسالت کی وجہ سے آپ واجب الاطاعت ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کہ لوگو! اگر میں حکم شرعی بیان کروں تو اسکا ماننا لازمی اور ضروری ہے لیکن اگر ذاتی مشورہ دوں تو اسکا ماننا ضروری نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہر مسلمان کے قلب میں آپ کی حد درجہ محبت ہے اس کی وجہ سے وہ آپ کے اشارے کو بھی حکم سمجھے اور ماننے کیلئے تیار ہو جائے، مگر جہاں تک قانون کی بات تھی وہ آپ نے بیان فرما دی.

آپ ﷺ نے حضرت بریرہؓ جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باندی تھیں ان کا نکاح حضرت مغیثؓ سے کر دیا، حضرت بریرہؓ نہایت ہی خوبصورت اور حضرت مغیثؓ بالکل

معمولی شکل کے آدمی تھے، جس کی وجہ سے ان دونوں میں بنتی نہیں تھی، آئے دن لڑائی جھگڑے کا بازار گرم رہتا، حتی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بریرہؓ کو آزاد کر دیا، اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ باندی جب آزاد ہو جائے تو نکاح کا باقی رکھنا نہ رکھنا اسکے ہاتھ میں ہو جاتا ہے، حضرت بریرہؓ نے سوچا کہ موقع غنیمت ہے، فائدہ اٹھانا چاہئے، چنانچہ انھوں نے نکاح کے فسخ کرنے کا ارادہ کرلیا، حضرت مغیثؓ حضرت بریرہؓ پر سوجان سے عاشق تھے، جب انھیں بریرہ کے ارادے کی خبر ہوئی تو روایتوں میں آتا ہے کہ یہ مدینہ کی گلیوں میں بے چین و بے قرار پھر رہے تھے اسی بے چینی کی حالت میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ آپ ہی نے بریرہ سے نکاح کرایا تھا، اب آپ ہی اسے باقی رکھئے، چنانچہ حضرت بریرہؓ کو بلایا گیا، آپ نے حضرت مغیث کی جانب سے سفارش فرمائی، اور بریرہؓ کو طرح طرح سے سمجھایا اور کہا کہ نکاح باقی رکھو، فسخ مت کرو، بریرہ بھی تھیں بڑی ہوشیار، انھوں نے فوراً پوچھا: یارسول اللہ! یہ حکم شرعی ہے یا آپ کا ذاتی مشورہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرا ذاتی مشورہ ہے، حضرت بریرہؓ کہتی ہیں پھر تو میں نہیں قبول کرتی، چنانچہ آپ ﷺ نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ذاتی طور پر حضرات انبیاء کرام بھی کوئی بات کہیں تو اس کا ماننا بھی ضروری نہیں ہے، یوں محبت وعقیدت کی لائن سے آپ جو کچھ بھی سمجھ لیں، تو جب حضرات انبیاء کے یہ درجات ہیں تو پھر ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے اور ہم اور آپ کس شمار میں آئیں گے؟

حقیقتِ آدمیت

اِس کا حاصل یہ نکلا کہ جب انسان کے اندر اوصاف وکمال جمع ہو جائیں وہ علم وفضل کا مالک بن جائے تو اس کی توقیر ہوتی ہے، عزت ہوتی ہے.

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس دنیا میں برائی اصل ہے، اس کو بروئے کار لانے کیلئے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بھلائی لائی جاتی ہے، اس کیلئے محنت کرنی ہوتی ہے، مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، ورنہ نہ تعلیم گاہیں ہوتیں نہ خانقاہیں اور نہ اس طرح کے تبلیغی اجتماعات ہوتے، تعلیم کی حاجت ہونا یہ دلالت ہے کہ آدمی اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ نہیں بلکہ اسکو گھڑ گھڑا کر انسان بنایا جاتا ہے، آدمی پیدا ہوتا ہے مگر آدمیت بنائی جاتی ہے، آدمی کی صورت کا نام انسان نہیں بلکہ وہ تو سیرت اور اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انساں بودے — احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

اگر آدمی کی صورت ہی کا نام انسان ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا، صورت تو دونوں کی یکساں ہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت دراصل آتی ہے سیرت سے، اخلاق سے، اگر صورت اچھی ہوئی لیکن باطن خراب ہے یا ظاہر درست ہے لیکن اندر ناقص اور نکمّا تو اس سے کوئی بات پیدا نہ ہوگی، بلکہ یہ صورت حال عیب ہے، ہنر نہیں، اور اسی طرح باطن کے خراب رہتے ہوئے ظاہر کو بنانے اور سنوارنے کی جدوجہد بالکل ایسی ہے جیسا کہ نجاست کے اوپر چاندی کا ورق لگا دیا جائے اس طرح نجاست کا پاک ہونا تو درکنار ورق بھی ناپاک اور ناقابل استعمال ہوجائیں گے، اسی طرح اگر کوئی بہترین لباس پہن لے مگر دل میں گندگی بھری ہو تو لباس کی وجہ سے وہ نہ تو واجب الاحترام ہوگا، اور نہ اس کے کمال میں کسی طرح کا اضافہ ہوگا۔

ارسطو مشہور حکیم اور فلسفی گزرا ہے، رات دن جڑی بوٹیوں کی تلاش میں رہتا اور ان کا امتحان لیا کرتا تھا وہ اپنے کام میں اتنا مشغول رہتا کہ اسے نہ دن کی خبر ہوتی نہ رات کی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سارے دن کا تھکا ہارا راستہ پر سو گیا، اتفاق سے اسی دن بادشاہ کی

سواری نکلی ہوئی تھی، آگے آگے نقیب و چوبدار، ہٹو بچو، ہٹو بچو کی صدائیں لگاتے آرہے تھے مگر یہ نیند میں اس طرح مست کہ اسے کچھ بھی خبر نہیں، پڑا سوتا رہا، ان بیچاروں کو کسی قسم کی فکر نہیں ہوا کرتی ہے، بادشاہ کی سواری کا گزر اس کے پاس سے ہوا، اسے اس طرح سوتے دیکھا، چلتے چلتے بادشاہ نے غصہ میں ایک ٹھوکر ماری، اس پر اس نے کہا: بے ادب، بادشاہ نے کہا کہ گستاخ! تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں، ارسطو نے جواب دیتے ہوئے کہا: غالباً آپ جنگل کے درندے معلوم ہوتے ہیں اسلئے کہ وہی ٹھوکر مارتے ہوئے چلا کرتے ہیں، بادشاہ کو اسکے اس گستاخانہ کلام کو سن کر اور بھی غصہ آیا، اس نے کہا: بدتمیز! میرے پاس خزانہ ہے، فوجیں ہیں، قلعہ ہے، تخت و تاج ہے، پھر بھی تو مجھ سے یہ گستاخانہ انداز اختیار کئے ہوئے ہے، ارسطو نے کہا کہ یہ ساری چیزیں تو باہر کی ہیں تیرے اندر میں کون سی چیز، کون سی خوبی اور کون سا کمال ہے، تو یقین رکھ کہ جس دن تیرے اوپر سے یہ قبا شاہی اتر جائیگی، تو ذلیل ہوجائے گا، تیرا کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا، آدمی کو فخر اپنے اندر کی چیز پر کرنا چاہئے، جب تیرے اندر کوئی کمال نہیں ہے تو تو کپڑوں اور تخت و تاج سے باکمال نہیں بن جائیگا، یہ قبا شاہی چھوڑ اور ایک لنگی باندھ، پھر ہم دونوں دریا میں کودیں جب معلوم ہوگا کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں، تیرے اندر کیا کمال ہے اور میرے اندر کیا کمال ہے۔

حاصل یہ کہ آدمی صورتِ انسانی کا نام نہیں اور نہ اس کی وجہ سے باعزت اور باکمال بنتا ہے، اسی طرح لباس وہ انسان کے باہر کی چیز ہے، اور دولت تو اس سے بھی باہر ہوتی ہے، لہذا ان چیزوں کی وجہ سے باکمال ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، سرچشمۂ کمال تو خدا ہی کی ذات ہے، اور ہمارے اندر جو کمال آئے گا وہ وہیں سے آئے گا، اور اس کیلئے ضروری ہے کہ ہمارا قرب ہو بارگاہِ خداوندی سے، اور ظاہر ہے کہ قرب حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرنی پڑیگی، پھر جس قدر جدوجہد بڑھے گی قرب بڑھے گا اور جس قدر قرب بڑھتا جائے

گا ، کمال آتا جائے گا ، اور جتنا بعد ہوگا کمال کے اندر کمی پیدا ہوتی جائیگی .

کمالاتِ انسانی

انسان کے دو کمال ہوتے ہیں ایک تو اس کا علمی کمال ، اور دوسرے عملی کمال ، علمی کمال پیدا کرنے کیلئے مکاتب ہیں ، مدارس ہیں ، یونیورسٹیاں ہیں اور عملی کمال پیدا کرنے کے بھی مختلف طریقے ہیں اور مختلف ذرائع ہیں ، امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں عملی کمال پیدا کرنے کے چار طریقے لکھے ہیں :

﴿١﴾ ۔ اول یہ کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہا جائے ، ان حضرات کی جتنی ہی زیادہ صحبت نصیب ہوگی ، اتنا ہی انکا رنگ قلب کے اندر اترتا چلا جائیگا ، مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ، صحبت نیک سے آدمی کے اندر خیر پیدا ہوتی ہے ، خوبی پیدا ہوتی ہے ، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك و نافخ الكِير ، فحامل المسك اِمّا اَن يُحذيَك و اما اَن تَبتاعَ منه وامّا اَن تَجدَ منه ريحاً طيباً و نافخُ الكِير اِما اَن يُحرق ثيابَك و اما اَن تجد منه ريحا خبيثةً .

اچھے ساتھی اور برے رفیق کی مثال مشک ساتھ رکھنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے ، پس مشک والا اگر تمہارے پاس سے بھی گزر گیا تو جب بھی نفع ، تم اس سے خریدلو گے تو بھی نفع ، ہر حال میں دماغ معطر رہے گا ، اور بھٹی والے سے تعلق میں کپڑا جلے گا ورنہ تو اس کی بد بو بلا شبہ دماغ مکدر رکھے گی .

تو بھائی ! ہر چیز کے اثرات ہوا کرتے ہیں ، اگر آپ دریا کے کنارے آباد ہوں گے تو آپ کے مزاج میں بھی رطوبت پیدا ہوگی ، خشک علاقے میں رہیں گے تو یبوست پیدا

ہوگی ، گلاب کے پھول کو کپڑے میں رکھ دیجئے تھوڑی دیر کے بعد نکالیں گے تو کپڑے سے بھی گلاب کی خوشبو آئے گی ، ریشمی کپڑوں میں عورتیں برسات کے موسم میں گولیاں رکھ دیتی ہیں اگلے موسم میں جب نکالتی ہیں تو کپڑوں سے گولیوں کی بد بو آتی ہے ، حالانکہ کپڑے کی ذات میں نہ تو خوشبو ہے نہ بد بو مگر مصاحبت کا اثر پڑتا ہے ، اگر گلاب کو اس کا مصاحب بنادیا جائے تو کپڑے میں خوشبو آجاتی ہے اور اگر گولیوں کو مصاحب بنادیا جائے تو اس کے اثرات کپڑے کے اندر رچ بس جاتے ہیں اور کپڑے سے بد بو آنے لگتی ہے ، اسی طرح اہل اللہ کی صحبت کے اثرات ہوتے ہیں جن سے متاثر ہوئے بغیر انسان نہیں رہ سکتا ، ایک عالمِ ربانی اور درویشِ حقانی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آئے ، گویا کہ ان کا ذکر ، ذکرِ خدا کی تمہید ہے ، کسی نے کہا ہے نا کہ ؎

خاصانِ خدا خدا نہ باشند   ولیکن از خدا جدا نہ باشند

جب آپ اہل اللہ کے قریب ہوں گے تو کمالاتِ ربانی آپ کے اندر آئیں گے ، صحبتِ صالح کے آثار خیر و برکت کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں .

فیضِ صحبتِ نبوی ﷺ

یہی وجہ ہے کہ جو مرتبہ اور مقام حضرات صحابہؓ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ، کوئی بڑے سے بڑا اقطب ہو ، غوث ہو ، صحابیت کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ، اسلئے کہ ان حضرات نے نبی کریم ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے ، آپکی مجلس میں شریک رہے ہیں ، جسے آپ کی صحبت نصیب ہوئی ہو اور آپ کی مجلس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا ہو اسکے کمالات کا کیا کہنا ؟ ایک آدمی آفتاب کے نیچے کھڑا ہو تو اس پر جو گرمی ہوگی وہ کمرے میں بیٹھنے والے کو نہیں ہو سکتی اور جو تہ خانے میں بیٹھا ہوگا اس پر دھوپ اور گرمی کا اثر اور بھی

کم ہوگا، جتنا آفتاب سے قریب ہوگا حرارت اور نورانیت بڑھتی جائے گی، نبی اکرم ﷺ آفتابِ نبوت ہیں آپ سے جو بلا واسطہ مستفید ہوئے ہیں ان کے فضائل و کمالات درجہ اولیٰ میں ہیں اور جو بالواسطہ ہیں ان کا ثانوی درجہ ہے اور ان حضرات سے جن لوگوں نے استفادہ کیا وہ تیسرے نمبر پر ہیں، اسی طرح درجہ بدرجہ کمی ہوتی چلی جائے گی، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** [۱]
سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے متصل ہو پھر جو اس سے متصل ہو۔

سلف میں شاگرد و استاد کی اصطلاح نہیں تھی بلکہ شاگردوں کو "صاحب" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا کہ یہ اصحاب ابی حنیفہؒ ہیں، یہ اصحاب مالکؒ ہیں، یہ اصحاب فلاں ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ان حضرات نے اپنے استاد اور شیخ سے محض کتاب کے الفاظ اور معنی ہی نہیں حاصل کئے ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنے استاد کے رنگ کو بھی قبول کیا ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ رنگ قبول کیا تھا جو آقائے رحمت ﷺ کا تھا۔

حاصل یہ کہ سب سے بڑی چیز ہے صحبت، اسکے ذریعہ ایک کے قلب کا رنگ، اور اسکے جذبات دوسرے کے اندر آتے ہیں، محمد حسین آزاد نے بالکل سادہ لفظ میں ایک شعر کہا ہے ؎

ملنے والوں سے راہ پیدا کر ——— اس کے ملنے کی اور صورت کیا

یعنی تم اگر محبوب سے ملنا چاہتے ہو تو پہلے ان کے پاس آنے جانے والوں سے رسم و راہ پیدا کرو، وہ کسی دن تذکرہ کردیں گے تمہاری بھی رسائی ہوجائے گی، ایسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے پہلے اللہ والوں سے ملا جائے، انکے رنگ کو قبول کیا جائے، قلوب کو بدلنے کی کوشش کی جائے، اخلاق کو درست کیا جائے، نفس کی اصلاح کی جائے، پھر بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قبول فرمالیں گے اور اپنا بنالیں گے۔

۱؎ خیر الناس قرنی (بخاری ۱/۳۶۲ و ۵۱۵ و ۲/۹۵۱) یا خیر امتی قرنی (بخاری ۱/۵۱۵)

اگر کسی کے پاس علم ہے مگر اس نے شیخ کی صحبت نہیں اختیار کی ہے اس کا رنگ نہیں قبول کیا ہے تو وہ صرف علم لفظی ہوگا حقیقی نہیں ہوگا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصّٰدقین. (التوبہ: ۱۱۹)

اللہ سے ڈرو اور معیت اختیار کرو سچے لوگوں کی، سچوں کی معیت اختیار کرنے سے ان کے اثرات تمہارے اندر پیدا ہونگے اور سچائی کی خوبی تمہارے ذہن میں بیٹھتی چلی جائیگی۔

صحبت ہی کی بات ہے کہ محدثین کے یہاں ان راویوں کی روایت زیادہ قابلِ قبول ہوتی ہے جنہوں نے محض سنا ہی نہیں بلکہ اپنے شیخ کی صحبت بھی زیادہ اٹھائی ہو۔

علمِ حقیقی

دیکھو بھائی! ایک علم تو ہوتا ہے رسمی اور لفظی جو رَٹنے اور کتابوں سے آجاتا ہے اور ایک ہوتا ہے حقیقی جو علماء ربانی اور اہل اللہ کی صحبت سے آتا ہے، بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھنے میں آئے کہ وہ عالم تو نہیں مگر جاہلوں کو کون کہے عالموں کی بھی رہنمائی فرماتے تھے، حاجی امیر خاں صاحب ہمارے اکابر دیوبند کے ایک متعارف خادم جن سے سنی ہوئی روایات کا مجموعہ خود میں نے مرتب کیا اور حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مرحوم نے اس پر فوائد اپنے قلم سے تحریر فرمائے، جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ رسمی عالم تو نہیں تھے یعنی انھوں نے باقاعدہ کسی درسگاہ میں نہیں پڑھا تھا اور نہ کسی مدرسہ کی ان کے پاس سند تھی، مگر حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اس کی برکت سے ان کے علم و فکر میں ایسی گہرائی پیدا ہوگئی تھی کہ علامہ انور شاہؒ جیسی بحر العلوم اور کتابوں کی حافظ شخصیت ان سے استفادہ کرتی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے، وہ بداخلاق بھی ہے، مشرک بھی، مگر

جب آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے، محبت سے فیض یاب ہوتا ہے تو عالم بھی بنجاتا ہے، خلیق بھی بنجاتا ہے اور کریم بھی .

تو بھائی نیک صحبت سے اخلاق بدل جاتے ہیں، روحیں پلٹ جاتی ہیں .

آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہزاروں معجزات ہیں اور معجزات کو تو چھوڑ دیجئے آپ کا یہی کیا کم کارنامہ اور کیا کم معجزہ ہے کہ آپ نے عرب جیسی تہذیب و اخلاق سے نا آشنا قوم کے قلوب کو بدل کر رکھ دیا، لوہے کا نرم کر دینا آسان ہے مگر قلوب اور روحوں کا بدلنا نہایت ہی مشکل ہے، ہم بلا جھجھک کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا ہر ہر صحابی ایک معجزہ ہے .

مواخاۃ فی اللہ

﴿۲﴾ _ لیکن اگر کسی شخص کو اتفاق سے شیخ میسر نہ آئے اور وہ کہے کہ میری بستی میں نہ تو کوئی شیخ ہے نہ کوئی عالم پھر میرے نفس کی اصلاح کی کیا صورت ہوگی ایسے شخص کے متعلق امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اسے مایوس نہیں ہونا چاہئے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بستی میں اسکا کوئی دوست تو ہوگا ہی اور اگر نہ ہو تو ایک دو آدمیوں سے دوستی کر کے آپس میں یہ سمجھوتہ کر لینا چاہئے کہ اگر میں کوئی برائی کروں تو تم میرا ہاتھ پکڑ کر روک دو، تم کرو گے تو میں روک دوں گا، تم سے کوئی کوتاہی ہوگی تو میں تنبیہ کروں گا مجھ سے ہوگی تم کرنا، اگر دوستی اس طرح ہوگئی تو زیادہ نہیں چالیس دن کے اندر سینکڑوں برائیاں ختم ہوجائیں گی .

تو اگر کوئی شیخ نہیں ملتا، کوئی عالم نہیں ملتا تو اس طرح اپنے نفس کی اصلاح کی جاسکتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسے مواخاۃ فی اللہ کہتے ہیں .

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہونگے جنہیں اس دن جس

دن کہ کہیں سایہ نہ ہوگا اللہ تبارک وتعالی عرش کے سایہ تلے جگہ دیں گے، ان میں سے ایک نوع یہ بھی ہے :

قال النبی ﷺ : سبعة يُظلُّهم الله في ظلّه يوم لا ظلَّ الا ظله : امام عادل ، و شابٌ نشأ في عبادةِ الله ، و رجلٌ قلبُه معَلق بالمسجد اذا خرج منه حتى يعودَ اليه ، ورجلان تحابَّا في الله اجتمَعا عليه وتفرّقا ، ورجلٌ ذكرَ الله خالياً ففاضت عيناه ، و رجلٌ دعَته امرأةٌ ذاتُ حسب و جمال فقال انى أخافُ الله ، ورجلٌ تصدَّق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شمالُه ما تُنفق يمينُه . (متفق عليه)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سات آدمی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالی اپنے سایہ میں لیں گے جس دن کہ سوائے خدا کے سائے کے کسی کا سایہ نہ ہوگا، ایک انصاف پرور بادشاہ، دوسرے وہ نوجوان جس کی جوانی کا آغاز ہی اللہ تعالی کی عبادت میں ہو، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد سے اٹکا ہوا ہے، جب مسجد سے نکلتا ہے بے چین رہتا ہے تاوقتیکہ پھر مسجد میں نہ پہنچ جائے، اور دو شخص جنہوں نے اللہ ہی کیلئے محبت کی اور اللہ کیلئے ترکِ تعلق کیا، اور ایک وہ شخص کہ جس نے خدا کو یاد کیا ہو تنہائی میں اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور ایک وہ شخص ہے کہ جسے عورت نے زنا کی دعوت دی جو خوبصورت بھی تھی اور بلند خاندان سے تعلق بھی رکھتی تھی اس پر اس نوجوان نے یہ کہدیا کہ مجھے تو خدا کا خوف اس کام کی اجازت نہیں دیتا، اور ایک وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اتنا چھپایا کہ بائیں ہاتھ کو بھی نہیں معلوم کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا .

حدیث میں ہے کہ ایسے دو آدمی جن میں مواخاۃ فی اللہ تھی اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہوجائے اور وہ مقبول عند اللہ ہوجائے تو وہ دعا کریگا کہ اے اللہ ! میرے فلاں دوست کو بھی اسی مقام پر لے آ، اسی کی وجہ مجھے یہ مقام ملا ہے .

انتخابِ دوست

اور یہ جو میں نے عرض کیا کہ اصلاح کے اس دوسرے طریقہ میں کسی دوست سے مدد لینی ہوگی ، تو بھائی ! دوست بھی دنیا میں ایک ہی نوعیت ، فطرت اور مزاج کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں بڑا فرق اور تفاوت رہتا ہے ، اسلئے دوست کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا ، کسی نے کہا ہے نا کہ ؎

دلا اندر جہاں یاراں سہ قسم اند — زبانی اند و نانی اند و جانی
بنانی ناں بدہ از در بدر کن — تلطف کن بیاران زبانی
ولیکن یار جانی را بدست آر — مدارائش بگیری تا توانی

یعنی دوست کی تین قسمیں ہوتی ہیں : ایک تو دسترخوانی دوست ، اگر خدا نے آپکا دسترخوان سلامت رکھا ہے تو پھر آپ کیلئے دوستوں کی کمی نہیں جتنے چاہئے جمع کر لیجئے ، اور بعض زبانی دوست ہوتے ہیں ان کی بھی دنیا میں کوئی کمی نہیں ، اور بعض جگری اور حقیقی دوست ہوا کرتے ہیں جو صرف آرام اور راحت ہی میں نہیں بلکہ تکلیف اور مصیبت میں بھی پورا پورا ساتھ دیتے ہیں ، ایسے دوستوں کی تعداد یقیناً کم ہے .

جو دسترخوانی دوست ہوں ان کی بات بالکل نہ مانیو ، اسلئے کہ جس دن تمہارا دسترخوان لپٹ جائے گا ان کی دوستی بھی ختم ہوجائے گی ، البتہ انہیں ان کی طلب وخواہش کے مطابق کچھ دے دلا کر پیچھا چھڑا لیجئے ، اور جو زبانی جمع خرچ کرنے کے عادی ہوں تم بھی ان کے ساتھ دوستی زبانی ہی تک محدود رکھو .

ایک شاعر تھے انھوں نے ایک امیر صاحب کی شان میں قصیدہ پڑھا اور اس میں خوب ایران توران کی ہانکی کہ آپ کی کرسی کا پایہ ہفت آسمان سے بلند ہے ، آپ کے تاج

کے موتی جیسے آسمان کے تارے وغیرہ وغیرہ ، جب قصیدہ ختم ہوگیا تو امیر صاحب نے کہا پرسوں آنا تمہیں دو ہزار اشرفیاں دوں گا ، اس سے جناب خوب خوش ہوئے اور گھر جا کر تیسرے دن کا انتظار کرنے لگے ، قبل اس کے کہ تیسرا دن آئے پہلے ہی انھوں نے اس امید پر کہ اب تو دو ہزار ملے گا ہی ، پانچ سو روپے قرض لے لیا ، چنانچہ اب بہترین کھانے پک رہے ہیں ، اعزہ واقارب کی دعوتیں ہو رہی ہیں ، نئے نئے جوڑے تبدیل کئے جا رہے ہیں ، جب تیسرا دن آیا تو دربار میں پہنچ کر امیر صاحب کو سلامی دی ، امیر صاحب نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا دوسری مرتبہ سلام کیا اس پر بھی وہ متوجہ نہ ہوئے ، تیسری بار کھانسے اس پر بھی امیر صاحب کی نگاہ نہ اٹھی ، آخر میں زبان ہی سے کہا کہ بندہ حاضر ہے میں نے اس دن قصیدہ پڑھا تھا اور آج کے دن آپ نے دو ہزار اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا تھا ، امیر صاحب نے سر اٹھایا اور کہا بھائی ! تم نے قصیدہ پڑھا تھا جس کے اندر محض الفاظ ہی الفاظ تھے ، حقیقت اور واقعیت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا تم نے مجھے لفظوں سے خوش کردیا میں نے بھی تمہیں لفظوں سے خوش کردیا ، جیسا تم نے دیا تھا ویسا میں نے واپس کردیا اب اور کیا چاہتے ہو ؟

تو میں عرض یہ کررہا تھا کہ دوستوں کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ وہ محض زبانی جمع خرچ کرتے رہتے ہیں ان کی باتوں کا حقیقت اور واقعیت سے نہ کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ کوئی واسطہ ، ایسے دوستوں کی بھی زبانوں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے ، لیکن ایسے دوست جو مصیبت میں کام آتے ہیں ، خود پریشانیاں اٹھا لیتے ہوں مگر دوست پر آنچ نہ آنے دیتے ہوں ہزاروں میں ایک ہی ہوتے ہیں .

اور اسی تیسرے دوست کے متعلق شاعر نے یہ بات کی ہے کہ اسے مضبوط پکڑلو اور اس کے تعلق و محبت کی قدر کرو .

بہر حال اصلاح نفس کیلئے اگر کوئی شیخ نہیں ملتا تو اپنے دوستوں ہی سے اپنی اصلاح کرنی چاہئے.

دشمن کے ذریعے اصلاح

﴿۳﴾ ۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ میرا تو کوئی دوست ہی نہیں تو پھر اس کے لئے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے ذریعہ اپنی اصلاح کرے، ایسا تو شاید ہی کوئی ہوگا کہ آج کے دور میں جسکا کوئی دشمن نہ ہو، آپ کے دشمن چھانٹ چھانٹ کر آپ کے عیوب اور برائیاں نکالتے اور پھیلاتے رہیں گے اب آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ کے اندر جو برائیاں ہیں انھیں چھوڑتے چلے جائیے، اگر آپ اس طرح ایک چلّہ دو چلے بھی گزار لیں گے تو بڑی حد تک آپ کی برائیاں ختم ہو جائیں گی، اور آپ صالح بن جائیں گے.

محاسبۂ نفس

﴿٤﴾ ۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں تو پہاڑ کی کھوہ میں رہتا ہوں مجھے نہ کسی شیخ کی صحبت میسر ہے اور نہ میرا کوئی دوست ہے نہ دشمن ہے، پھر میرے لئے اصلاح کا کیا طریقہ ہوگا، امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اس کو بھی مایوس نہ ہونا چاہئے اس کیلئے چوتھا طریقہ محاسبۂ نفس کا ہے، روزانہ سوتے وقت کم از کم پندرہ منٹ مراقبہ کرے اور سوچے کہ آج میں نے کتنی بھلائیاں کیں اور کتنے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے، جو بھلائیاں کی ہوں ان پر شکر ادا کرے اسلئے کہ شکر یہ ادا کرنے سے اللہ تعالی زیادہ کی توفیق دیں گے، ارشادِ خداوندی ہے: **لئن شکرتم لأزیدنکم** (ابراهیم ۷) یعنی تم شکر ادا کروگے تو ہم نعمتوں کو بڑھا دیں گے، تو جتنا شکر ادا کریں گے خدا تعالی نعمتوں کو بڑھا دیں گے، اور جو گناہ سرزد ہوئے ہوں ان پر سچے دل

سے توبہ کرے، جب صدقِ دل سے توبہ کرلے گا تو سارے گناہ جھڑ جائیں گے، حدیث میں ہے: **التائب من الذنب کمن لا ذنب له** گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسا کہ اس سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوا، اگر برابر اس عمل کو جاری رکھا جائے گا تو برائیاں ختم ہوتی جائیں گی اور نفس میں صلاح وتقوی پیدا ہوتا چلا جائے گا.

حاصل یہ کہ اولاً تو شیخ کے ذریعہ نفس کی اصلاح کیجئے، شیخ نہ ملے تو پھر دوست کے ذریعہ خوبیاں پیدا کیجئے اور اگر دوست نہ ہو تو پھر دشمن کو آلۂ کار بنائیے اور اگر دشمن بھی نہیں ہے تو اپنا شیخ اپنے ہی کو بنالیجئے، عرفی طور پر اصلاح کے یہی چار طریقے ہیں ان میں سے اگر ایک بھی میسر آجائے تو نجات کیلئے کافی ہے اور اگر اتفاق سے یہ چاروں چیزیں میسر آجائیں تب (تو) وہ شخص کیمیا بن جائے گا کہ (۱) شیخ بھی ہو (۲) مواخاۃ فی اللہ بھی ہو (۳) دشمن بھی ہو اور (۴) محاسبہ بھی ہو، گویا اگر کسی کو یہ چار چیزیں میسر آجائیں تو پھر زہے قسمت وزہے نصیب.

تبلیغی جماعت اصلاحی طریقوں کا جامع ہے

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تبلیغ اصلاح کے ان چاروں طریقوں کا ایک مجموعۂ مرکب ہے تو یہ تبلیغی جماعت ایک معجونِ مرکب ہے، گویا یہ نسخہ امرت کا بن گیا جس پر اصلاح نفس کے یہ چاروں طریقے جمع ہوگئے ہیں، الغرض اس میں محنت کرنے سے بہت ہی بڑا فائدہ ہوگا.

آپ کہیں گے کہ تبلیغ میں نکالا کیوں جاتا ہے ؟ تو تبلیغ میں اسلئے نکالا جاتا ہے کہ اس میں بزرگوں کی صحبت میسر ہوتی ہے، پھر ساتھی اچھے ملتے ہیں جو ایک دوسرے کو برائی سے روکتے ہیں، اور پھر جب وہ اپنا خرچ کرکے باہر نکلا ہے تو دینی جذبات بھی

ابھریں گے، اسے اپنی اصلاح کا خیال پیدا ہوگا، اسلئے کہ جب وہ اپنا گھر چھوڑ کر گیا ہے اور ہر قسم کی مشقت برداشت کر رہا ہے تو وہ کچھ نہ کچھ اثر لے کر ضرور ہی آئے گا، اس کے بعد بھی اگر یہ اثر لے کر نہ لوٹے تو وہ انسان نہیں بلکہ پتھر ہے، اگر انسان ہے تو ضرور وہ اثر لے کر آئے گا، کیونکہ وہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہا ہے۔

جماعت کی برکات

بہت ممکن ہے کہ اس مجموعۂ مرکب میں بعض کمزور ارادہ، بعض نحیف عمل، بعض خام علم والے جمع ہوجائیں اور شبہ یہ ہو کہ تبلیغ سے حاصل ہونیوالا فائدہ یقینی ہونے کی بجائے موہوم ہو کر رہ جائے گا، تو بھائی اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کمزوروں سے مرکب اجتماع جمعیت اور اتحاد کی بناء پر ایک قوت حاصل کرلے گا جیسا کہ اس کی نظیر خود ہی ہمارے فنِ حدیث میں بھی موجود ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ اگر کسی حدیث کے سلسلہ میں چند ضعیف سندیں جمع ہوجائیں تو وہ حدیث بھی محدثین کے نزدیک قوی سمجھی جانے لگتی ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اگر چند بھیک مانگنے والے دو دو، چار چار پیسے جمع کرلیتے ہیں تو سب کے کھانے کا انتظام ہوجاتا ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ چاہیں تو کسی کا بھی پیٹ نہیں بھر سکتا، ایسے ہی اگر چند ضعیف العمل اور ضعیف روحانیت والے نیک نیتی سے جمع ہوجائیں گے تو ایک کا دوسرے پر اثر پڑیگا اور سبھی کے اندر قوت پیدا ہوجائے گی۔

اور بھائی ان حضرات کی نیک نیتی میں کیا شبہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرات نہ تو تجارت کیلئے جمع ہوتے ہیں، نہ کھیتی باڑی اور نہ کسی دوسرے کاروبار کیلئے۔

پھر یہ بھی تو سوچئے کہ دس پندرہ آدمیوں کی جماعت میں کوئی نہ کوئی تو مقبولِ خداوندی ضرور ہی ہوگا، اور ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کی مقبولیت کا اثر دوسروں پر یقیناً پڑیگا، یہی

وجہ ہے کہ مومن کو نماز باجماعت پڑھنے کا حکم ہے، اسلئے کہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ سارے جماعت کے نمازی بھی کمزور کیوں نہ ہوں پھر بھی مجموعہ میں خدا کا کوئی مقبول بندہ ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے پوری جماعت کی نماز قبول ہوجاتی ہے، معلوم ہوا کہ جماعت میں خواہ کتنے ہی ضعیف کیوں نہ ہوں لیکن خدا کا کوئی مقبول بندہ ضرور ہوگا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت ضرور ہوگی۔

نیک نیتی کا اثر

اور پھر وہ اپنی ذاتی غرض سے نہیں نکلے ہیں بلکہ اللہ کے رضا کیلئے نکلے ہیں، اس نیک نیتی کا اثر بھی پڑتا ہے، کیونکہ یہ اللہ کا نام سیکھنے جار ہے ہیں، خدا کو یاد کرنے کیلئے جار ہے ہیں، تو جب اس نیت سے اللہ کے راستہ میں نکلیں گے تو اس کا اثر بھی ضرور آئے گا۔

گویا اس طرح فی الجملہ صحبتِ شیخ وصحبتِ صلحاء میسر آجائے گی، بہرحال یہ سب سے پہلی چیز صحبت اہل اللہ ہے۔

تبلیغی بھائی

پھر جب ایک جذبہ سے جائیں گے تو مواخاۃ (بھائی چارگی) بھی قائم ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ان میں باہم دوستی بھی قائم ہوجاتی ہے، اسلئے واپس آنے کے بعد ایک دوسرے کو تبلیغی بھائی کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ تبلیغی بھائی آرہے ہیں، گویا ان میں کا ہر ایک دوسرے کا بھائی بن جاتا ہے اور آپس میں ایک قسم کی اُخوّت ہوجاتی ہے۔

جماعت کی نماز کی بھی یہی خصوصیت ہے، جب لوگ مسجد میں آتے ہیں تو ایک کی دوسرے سے آنکھیں چار ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں باہمی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور

جب ان میں کا کوئی کبھی غائب ہوتا ہے تو دوسرے سے معلوم کرتے ہیں کہ فلاں تو روزانہ آیا کرتا تھا آج کیوں نہیں آیا، معلوم ہوا کہ بیمار ہے، پھر لوگ اس کی عیادت کیلئے جائیں گے، اور اس طرح لوگوں کو عیادتِ مریض کا ثواب حاصل ہوگا، نیز اللہ تعالے سے قرب حاصل ہوگا، حدیث میں ہے کہ مرض کی حالت میں آدمی کو اللہ تعالے سے بے حد قرب ہوتا ہے، حدیث ہی میں ہے کہ بندے کو اللہ تعالی سے نعمتوں میں اتنا قرب نہیں ہوتا جتنا کہ مصیبتوں میں ہوتا ہے، نیز حدیث ہی میں ہے کہ اللہ تعالی بندے سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تھا تو میری مزاج پرسی کیلئے نہیں گیا، بندہ کہے گا اے باری تعالی! آپ کی ذات تو ان چیزوں سے پاک ہے، آپ کے بیمار ہونے کا کیا سوال؟ باری تعالی فرمائیں گے: میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اگر تو اس کی عیادت کیلئے جاتا تو مجھے اس کی پٹی پر موجود پاتا، تو پھر تجھے بھی وہ قرب نصیب ہوتا جو میرے اس بندے کو مجھ سے حاصل تھا.

حاصل یہ کہ ایک مریض کی عیادت کیلئے جانے سے عیادت کے ثواب کے ساتھ اللہ تبارک وتعالی کا قرب بھی نصیب ہوگا، اگر خدانخواستہ اس کا انتقال ہوگیا تو سب کے سب اس کے کفن دفن میں لگیں گے اسکا بھی ثواب ملے گا، گویا کہ از اول تا آخر ثواب ہی ثواب ہے، یہ ہیں برکات مسجد میں حاضری اور ہر وقت مسلمانوں کے آپس میں ملنے جلنے کے نتائج، اب آپ دیکھئے کہ تبلیغ والے مرکز ہمیشہ مسجد ہی بناتے ہیں تو مسجدوں کی وہ برکات جو مسجد میں آنے والوں کے لئے مخصوص ہیں خود تبلیغ والوں کو ضرور بلکہ کچھ زائد ہی نصیب ہونگی، اور پھر ایک مشرب، ایک مسکن، ایک مطعم کی بناء پر جو مواخاۃ بھائی بندی کے جذبات باہم رونما ہوتے ہیں یہ تبلیغ والے اس سے کبھی محروم نہیں رہ سکتے، تو تبلیغی جماعت میں نکل کر شیخ بھی ملے، دوست بھی ملے، نیت بھی اچھی ہوئی اور پھر اچھی بات کہنے کا موقعہ بھی ملا.

جماعت میں دشمنوں سے عبرت کا موقع

اب جب اچھی بات کہو گے تو ہر ایک ٹھنڈے دل سے نہیں سنے گا بلکہ اس کے مخالف ہوجائیں گے، یہی وجہ ہے کہ اس جماعت میں رہ کر دشمنوں سے بھی نصیحت حاصل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہوتا ہے، اسلئے کہ آپ دس لوگوں کے پاس جائیں گے، دس منہ ہونگے، دس قسم کی باتیں ہونگی، کوئی بدعتی کہے گا کوئی وہابی کہے گا اور بھی طرح طرح کی سخت وسست باتیں آپ کو لوگ کہیں گے، آپ کے عیوب اور خرابیاں نکالنے کی کوشش کریں گے، جب آپ بار بار اس قسم کی باتوں کو سنیں گے تو غور کریں گے کہ آخر میرے اندر کیا کمزوریاں ہیں، کیا کوتاہیاں ہیں، پھر ان کمزوریوں اور کوتاہیوں کو معلوم کرکے آپ ان کو دور کرنے کی فکر کریں گے.

حاصل یہ کہ اس میں نیک لوگوں کی صحبت بھی میسر، دوستی بھی میسر، دشمنوں سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا بھی موقعہ .

تبلیغ میں محاسبہ

اور ان تمام باتوں کے ساتھ جب آپ رات کو پڑ کر سوئیں گے تو یقیناً سوچیں گے کہ آج میں نے کتنی نیکیاں کیں اور کتنی برائیاں کیں، اور پھر آپ کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ رات کا وقت ہے، حق تعالی سے قرب ہے، لاؤ نیکیوں پر اس کا شکریہ ادا کروں، اور برائیوں سے توبہ کرلوں تو اس طرح نیکیوں کا سلسلہ بڑھ جائے گا اور برائیاں گھٹتی چلی جائیں گی.

تو بھائی! اس جماعت میں یہ چاروں دوائیں موجود ہیں جو ہدایت کیلئے ایک ایسا معجونِ مرکب ہے کہ اس کے بعد پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی ۔

تبلیغ اور اصلاح

اور مقصود اصلی یہ ہے کہ پہلے خود ہمارا ہی دین درست ہو، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ابتداء خود اپنے ہی سے کرنی پڑتی ہے، ضروری ہے کہ آدمی پہلے خود صالح بنے، پھر دوسرا مقام یہ ہے کہ دوسروں کو صالح بنائے، ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرے گا تو صالح بنے گا، دوسروں کو عمل کی دعوت دیگا تو مُصلح بنے گا ۔

اعتراضات اور ان کا اصولی جواب

رہ گئے تبلیغی جماعت پر اعتراضات، تو لوگ کرتے ہی رہتے ہیں، کون سا ایسا کام اور کون سی ایسی جماعت ہے کہ جس پر اعتراضات نہیں ہوتے، آپ اعتراضات کو چھوڑ دیجئے اور کام کرتے جایئے، مثال کے طور پر لوگ ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں تبلیغی جماعت والے صرف فضائل بیان کرتے ہیں، مسائل نہیں بیان کرتے، اور دین درست ہوتا ہے مسائل سے، فضائل سننے کے بعد دل میں اُمنگ تو پیدا ہوجاتی ہے مگر جب آگے مسئلہ نہیں معلوم ہوگا تو ممکن ہے کہ لوگ امنگ اور جذبات کی رَو میں بہہ کر من گھڑت عمل شروع کردیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بدعت میں مبتلا ہوں گے ۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ اس طرزِ عمل سے لوگ بدعت میں مبتلا ہوتے چلے جائیں گے اولاً تو محض احتمال اور امکان کی بات ہے، دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کیا ہے، چالیس برس کے اندر کتنے لوگ بدعت میں مبتلا ہوئے ؟

رہا مسائل کا نہ چھیڑنا، اس کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ ہم پہلے فضائل بیان کرکے جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، بعد میں مسائل چلائیں گے، تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ چالیس سال سے تبلیغ چل رہی ہے کیا آج تک جذبہ ہی پیدا نہیں ہوا ؟!

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ تبلیغ والے فضائل ہی تو بیان کرتے ہیں، مسائل سے انکار تو نہیں کرتے، کیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسئلہ کسی سے نہ پوچھو، ہرگز وہ ایسا نہیں کہتے ۔

دوسرے یہ کہ کام کرنے کے مختلف میدان اور مختلف لائینیں ہوتی ہیں، کوئی درس و تدریس کی لائن اختیار کرتا ہے، کوئی وعظ و تبلیغ کی، تو کوئی سیاست وحکومت کی، ان حضرات نے بھی ایک لائن اختیار کرلی ہے، فضائل بیان کرتے ہیں، لوگوں کے اندر دینی جذبہ اور اُمنگ پیدا کرتے ہیں، اب ساری لائن وہی اختیار کرلیں یہ نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی ممکن، جب آپ کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو آپ کام کرنے سے پہلے کچھ مقاصد اور اصول مقرر کرتے ہیں اور اپنی لائن متعین کرتے ہیں، اس میں آپ سب چیزوں کو داخل نہیں کرتے تو پھر آپ اس میں سب چیزوں کو کیوں شامل کرنا چاہتے ہیں؟

بہر حال جب کوئی اعتراض کرے تو اسے سن لینا چاہئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہئے، عمل ہی سب اعتراضات کا جواب ہے ۔

مقصدِ تبلیغ

بس تبلیغ والوں کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے اندر دین کا جذبہ اور دینی امنگ پیدا کردی جائے، اب اس امنگ سے آدمی دین کا جس لائن میں بھی کام لینا چاہے لے سکتا ہے، نیز دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جب کسی چیز کی امنگ پیدا ہوجاتی ہے تو آدمی خود ہی اس امنگ کو صحیح طریقے سے پورا کرنے کی جدوجہد اور سعی کرتا ہے، اگر آپ کے اندر صحیح امنگ

پیدا ہوگئی ہے اور آپکو مسائل کی طلب ہے تو علماء سے ملئے، مدرسے میں جایئے اور مسائل معلوم کیجئے، باقی کام میں نہ لگنا اور اعتراضات کا کرنا یہ حیلہ کرنے والوں کا کام ہے.

جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ ہر جماعت کا ایک نصب العین اور طریقۂ کار ہوتا ہے، آپ کا اس پر دوسری چیزوں کا لادنا کہ فلاں چیز کو بھی اس میں شامل کرلیجئے کسی طرح مناسب نہ ہوگا، جب اس جماعت نے اپنا ایک موضوع متعین کرلیا تو آپ کو چاہئے کہ آپ اسے اس پر کار بند رہنے دیں.

بہر حال تبلیغ سے نفع اظہر من الشمس ہے کہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں دین کی امنگ اور طلب پیدا ہوئی اور اسی امنگ اور طلب کی وجہ سے کتنی بدعات ختم ہوئیں، ورنہ لاکھوں آدمیوں کا محض اللہ اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا پیسہ خرچ کر کے سفر کرنا، اپنا کھانا، اپنا پینا، پہلے یہ جذبہ کہاں تھا، تو اس سے جو نفع پہنچا اسکو تو آپ بیان نہ کریں اور جو ان کا منصوبہ نہیں اس کو آپ اعتراض کی بنیاد بنائیں یہ تو کوئی مناسب بات نہ ہوگی.

خود چل کر اس کام کے فائدہ کو دیکھنا چاہئے

بہر حال اصلاح نفس کے چار جز اور چار طریقے ہیں اور تبلیغ کے اندر حسنِ اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہوگئے ہیں، صحبت صالح بھی ہے ذکر و فکر بھی، مواخاۃ فی اللہ بھی ہے، دشمن سے عبرت و موعظت بھی ہے اور محاسبۂ نفس بھی ہے، اور انہی چاروں کے مجموعہ کا نام تبلیغی جماعت ہے، عام لوگوں کیلئے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا، اس طریقۂ کار سے دین عام ہوتا جارہا ہے، اور ہر ملک کے اندر یہ صدا پہنچتی چلی جارہی ہے، اس کے ذریعہ لوگوں کے عقائد درست ہورہے ہیں، لوگ تیزی سے اعمال کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور اپنے آپ کو نبی ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش

کر رہے ہیں، کم از کم ان تجربات کو سامنے رکھ کر اعتراض کرنے والوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا اور غور کرنا چاہئے.

اسلئے اس میں خود چل کر اس کام کے فائدہ کو دیکھنا چاہئے، آپ خود داخل ہو کر اس بات کا فائدہ محسوس کریں گے کہ اس کام سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا، آپ اسے تجربات کی روشنی میں معلوم کرلیجئے، جو شخص بھی حسنِ نیت سے اس کام میں آئے گا اس کا اثر اسے ضرور ہوگا، اس کام میں دعوت بھی ہے، اور دعوت ہے لا الہ الا اللہ کی، نماز کی محنت بھی ہے، ساتھیوں کے ساتھ تعلق بھی ہے، ذکر بھی ہے اور محاسبہ بھی ہے، اور بھی بہت سی چیزیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس محنت سے بہت سی خیر اور بھلائی انسان میں آرہی ہے، کتنے بُرے تھے جو جماعت کی وجہ سے اچھے بن گئے یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ برے عقیدے والے صالح عقیدہ والے بن گئے.

بے جا اعتراض

اور پھر اعتراضات تو وہ قابلِ قبول ہیں جو کام میں گھس کر کئے جاویں اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے وہ قابلِ قبول نہیں ہوا کرتے، اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے، لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا ہی نہیں، کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے اس کام کا فائدہ معلوم ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابلِ قبول نہیں.

یوں تو اعتراضات سے مدرسے والے بھی خالی نہیں، اللہ و رسول بھی اعتراضات سے خالی نہیں، جیسے اللہ تعالی کی نسبت کہا گیا کہ اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں حالانکہ اللہ تعالی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کہنا کسی طرح بھی گالی سے کم نہیں، بخاری شریف کی

ایک حدیث ہے :

قال اللّٰه تعالی : کذّبنی ابنُ آدم و لم یکُن له ذلک و شتَمنی و لم یکن له ذلک فأمّا تکذیبُه ایّایَ فقوله لن یُعیدَنی کما بدأنی ولیس أولُ الخلق بأهونَ علَیّ مِن اعـادتِه ، و أما شتمُه ایّای فقوله اتّخذ اللّٰه ولداً و أنا الأحد الصمدُ الذی لم ألِد و لـم أولَد و لم یکن لِی کفواً أحد .

ترجمہ : اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ انسان نے مجھ کو جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے مناسب نہ تھا کہ میری تکذیب کرے، اس نے برا بھلا کہا حالانکہ یہ اسے زیبا نہ تھا، تکذیب مثلا یہ کہنا کہ اللہ مجھ کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کریں گے، حالانکہ پہلی مرتبہ کے مقابلہ میں دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے، اور اس کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، اور نہ میرا کوئی باپ ہے نہ بیٹا اور نہ ہی میرا کوئی شریک وساجھی ہے .

آپ خود سوچئے کہ اس سے زیادہ گالی کیا ہوگی کہ کسی آدمی کے متعلق یہ کہا جائے کہ فلاں کے سانپ پیدا ہوا ہے، اس شخص کیلئے کتنی شرم کی بات ہوگی، حالانکہ سانپ بھی جاندار ہے اور اس معنی کر کے دونوں میں ایک گونہ مماثلت ومشابہت ہے .

اور بھائی اللہ تبارک وتعالی تو نور ہیں پھر ان کیلئے بیٹا اور بیٹی کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

اسی طرح رسولوں کو بھی موردِ طعن وتشنیع بنایا گیا، کسی نے کہا یہ تو کاہن ہے، کسی نے کہا جادو گر ہے وغیرہ وغیرہ .

تو اللہ ورسول بھی اعتراض سے نہیں بچ سکے تو ہماری اور آپکی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے، بہرحال اعتراض کرنیوالے تو سب پر اعتراض کرتے ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہئے.

اعتراض کی حقیقت

اعتراضات کا دائرہ بہت وسیع اور نہایت آسان ہے، حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے: کہ علمی لائنوں میں سب سے زیادہ مشکل کام فتوی دینا ہے، اسلئے کہ کسی مسئلہ کے متعلق فتوی دینے کیلئے سینکڑوں جزئیات سامنے رکھنی پڑتی ہیں، جب تک تمام جزئیات سامنے نہ ہوں فتوی دینا مشکل ہوتا ہے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دو واقعے اور دو مسئلے بالکل ایک جیسے مگر حکم دونوں کا جدا جدا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بڑے سے بڑے عالم کا مفتی ہونا ضروری نہیں، پھر فرمایا: اس سے آسان کام درس دینا ہے، افتاء میں سینکڑوں جزئیات سامنے رکھنی پڑتی ہیں، غور کرنا پڑتا ہے، دماغ پر زور ڈالنا ہوتا ہے، اور درس دینے والا ایک عبارت کو دیکھ کر اس کا ماحصل بیان کر دیتا ہے، اور فرمایا کہ درس دینے سے بھی آسان کام تقریر کرنا ہے اور وہ بھی عامیانہ، اور میں ان تینوں پر ایک جزئیہ کا اضافہ کر کے یوں کہتا ہوں کہ ان سب سے آسان ہے اعتراض کا کر دینا، جس پر چاہئے اعتراض کر دیجئے، صحابہ پر اعتراض ائمۂ مجتہدین پر اعتراض، لطف کی بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے تھکتے نہیں، اور تھکیں بھی تو کیسے؟ اسلئے کہ اس میں نہ تو کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ عقل کی، بس ہر بات کے متعلق یہ کہہ دیجئے کہ یہ غلط ہے، اور اعتراض کرنے کیلئے علم کی بھی ضرورت نہیں، اعتراض کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جنکے پاس کوئی ڈگری نہیں ہوتی، نہ علم کی نہ عمل کی، تو اتنا آسان کام ہے اعتراض کا کرنا، ایسے آسان کام کو ہر کوئی شخص کرسکتا ہے .

تو بھائی! اگر کچھ لوگ ایسے گئے گزرے اور آسان کام کو اختیار کرتے ہیں تو کرتے رہیں، اس سے آپ کا کیا نقصان ہوتا ہے، آپ اپنے کام میں پورے طریقے سے مشغول رہئے، کل میدانِ قیامت میں اعتراض کرنے والے بھی کھڑے ہوں گے اور کام کرنے

والوں کی بھی صفیں لگی ہوں گی ، ہر ایک کی محنت کا ثمرہ اس کے سامنے آجائے گا .

انعامِ خداوندی

یہ اللہ تعالی کی دی ہوئی توفیق اور آپ کے قسمت کی بات ہے کہ آپ کے حصہ میں کام کرنا آیا اور دوسروں کے نصیب میں اعتراض کرنا .

اس لئے آپ تو خوش رہئے کہ حق تعالی نے آپ لوگوں کو کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اعتراضات سے بچالیا ، اور رہ گیا اوروں کا اعتراض کرنا اس کے لئے آپ لوگوں کا عمل خود جواب ہے ، مثل مشہور ہے : کہ ایک چپ سو(۱۰۰) کو ہرا دیتی ہے ، اور چپ سے بڑھ کر "عمل" ہے اس سے کچھ بھی اشکال قائم نہیں رہے گا .

خلاصہ

بہر حال میں نے عرض کیا کہ اصلاحِ نفس ضروری ہے اور اصلاح نفس کے طریق کو بھی میں نے بیان کردیا اور اس کام میں اصلاح نفس کے تقریباً چاروں طریقے موجود ہیں جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی حاصل کرے گا ، اسلئے کہ جب آپ عمل کرینگے تو اس پر اس کام کے ثمرات بھی ضرور مرتب ہوں گے .

اب تک معترضین کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ ان کے اعتراض کو مان کر کے ، اور اگر غور کیا جائے تو سرے سے ان کے اعتراضات ہی قابلِ تسلیم نہیں ، اسلئے کہ اس میں بڑے اور پرانے لوگ بھی تو موجود ہوتے ہیں جن سے کام کے اصول معلوم ہوسکتے ہیں اور اصول سے کام کرنے میں ترقی ہوگی ، بعض اربابِ درس وتدریس ہوتے ہیں اور بعض اہلِ فتوی ، ان سے آپ کو روکتے بھی نہیں ہیں ، اگر کسی کو علم حاصل کرنا ہو تو ان سے حاصل

کر سکتا ہے ، مسئلہ معلوم کرنا ہو تو ان سے معلوم کر سکتے ہیں .

کام کرنے والوں کے لئے یہ سب باتیں ہیں اور محنتیں ہیں ، اور نہ کام کرنے والوں کیلئے یہ سارے اعتراضات ہیں ، بہر حال نسخہ ہے مکمل ، ہاں دل ہی اگر نہ چاہے تو اور بات ہے ، کسی نے صحیح کہا ہے کہ ؎ اگر تو ہی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

تو بات بتلانے والوں نے بتلادی ، اعلان کرنے والوں نے آواز بھی لگادی ، منزل بھی بتلادی ، ثمرہ بھی بتلادیا کہ یہ سامنے آئے گا ، اب ان حضرات کی ذمہ داری نہیں کہ وہ آپ کی طرف سے چلیں بھی ، آپ چلیں گے اور کام کریں گے تو اس کا پھل پائیں گے ، ظاہر ہے کہ نفع عام ہے ، اسلئے اس میں ضرورت ہے کہ سب چلیں ، اگر آپ تعلیم میں شرکت کرسکتے ہوں تو تعلیم میں شریک ہوں ، گشت میں شرکت کرسکتے ہوں تو گشت میں شریک ہوں اور اگر کچھ اوقات لگا سکتے ہوں تو اوقات بھی لگائیں .

اور بھائی ! اس سے کنارے رہنا بڑی ہی محرومی کی بات ہے ، فکری طور پر ہو ، عملی طور پر ہو ، جس درجہ میں بھی ہو اس میں شریک رہنا چاہئے .

یہاں آنے کا مقصد حضرت شیخ مدظلہ [1] سے ملاقات تھی ، پھر اسکے بعد آپ حضرات کی درخواست کو چلتے چلتے پورا کرنا بھی ضروری تھا ، سو ملنے کا مقصد بھی پورا ہوگیا .

بہر حال نفس کی اصلاح ہوگی تو انسان کامل ہوگا اور یہ بات حاصل ہوگی ان طریقوں سے ، حق تعالی ان چند کلمات کو قبول فرمائے ، اور ہمیں بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے . آمین

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دن قبل حجاز سے دہلی ہوتے ہوئے حضرات اکابر نظام الدین کے ساتھ سہارنپور تشریف لائے تھے .

تعلیم و تبلیغ

یہ زبان کا جہاد بڑا جہاد ہے، اسے جہاد کبیر کہا گیا ہے (ص ۵)

آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے، اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آرہا ہے، ہندوستان کے ہر خطہ میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی میں گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے۔ (ص ۱۱)

خطاب

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

مہتمم دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مدرسہ دعوۃ الحق دار الیتامی والمساکین 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

فہرست مضامین تعلیم و تبلیغ

شمار	مضامین	صفحہ
۱	مکی زندگی	41
۲	جہادِ کبیر	42
۳	انقلاب عظیم	43
۴	ہماری نجات کا ذریعہ	44
۵	قوت ایمان	45
۶	ایک اعتراض اور اس کا جواب	45
۷	عام تبلیغ ہر شخص پر ضروری ہے	46
۸	تبلیغ کے لئے جماعتوں کا طریقہ	47
۹	تبلیغی جماعت اور انقلاب عظیم	48
۱۰	تبلیغ میں باہر نکلنے کا فائدہ	48
۱۱	مقصدِ تبلیغ	49
۱۲	بے لوث خدمت	49
۱۳	دو پناہ گاہیں	49
۱۴	دعوتِ شرکت	50
۱۵	دعوتی کام کا نفع	50

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم و تبلیغ

الحمد للّٰہ نَحمَدُہ و نَستعینہ و نَستغفِرُہ ونُؤمِنُ بہ و نَتوکّل علیہ ، ونعوذُ بـاللّٰہ من شُرورِ أنفسِنا و من سیئآتِ أعمالِنا ، مَن یھدہ اللّٰہُ فلا مُضلَّ لہ و مَن یُضلِلْہ فلا ھادیَ لہ ، و نَشھد أن لا الٰہ الا اللّٰہ وحدَہ لا شریکَ لہ ، ونشھد أن سیـدَنـا و سندَنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ ، أرسلہ اللّٰہ الی کافۃِ للنّاس بشیرًا و نذیرًا ، و داعیاً الی اللّٰہ باذنہ و سراجاً منیراً ، صلی اللّٰہ علیہ و علی آلہ و أصحابہ و بارَکَ و سلَّم تسلیماً کثیرًا کثیرًا . أما بعد ________

بزرگانِ محترم ! رسول اللہ ﷺ کی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے، مکی زندگی اور مدنی زندگی، مکی زندگی تیرہ برس کی ہے اور مدنی زندگی دس برس کی ہے ۔

مکی زندگی

مکی زندگی تکالیف ومشکلات، پریشانیوں کلفتوں کی ایک طویل صبر آزما زندگی ہے، خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ’’کسی نبی کو اپنی قوم سے وہ ایذائیں اور تکلیفیں نہیں پہنچیں جو مجھ کو میری قوم سے پہنچی ہیں‘‘ ۔ لیکن ان تمام تکالیف کے بعد بھی آپ دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام انتہائی انہماک اور لگن سے کرتے رہے، مشرکین کے ایمان نہ لانے سے آپ کے دل میں جو ضیق وتنگی پیدا ہوئی تھی اس پر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اپنے دل کو

ان پر نہ کُڑھائیے بلکہ اپنے کام میں لگے رہئے، آپ خدا کے حکم پر عمل کرتے رہے اور اسکی حمد وتعریف اور اسکے بھیجے ہوئے مذہب کی تبلیغ میں لگے رہئے، آپ کو مجنون، کاہن، جادوگر اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا، آپ پر پتھر پھینکے گئے، آپکو زہر دیا گیا، کوئی نازیبا حرکت نہ تھی جو آپکے ساتھ نہ کی گئی ہو، لیکن ان سب کے باوجود آپ ﷺ اور آپکے صحابہؓ انتہائی صبر وثبات کے ساتھ اپنے مشن کی کامیابی کیلئے سعی وکوشش کرتے رہے، خدا کی طرف سے بھی آپکو یہی حکم ملا کہ فاصبر کما صبر أولوا العزم ، فاصبر صبرا جمیلا ، آپ صبر کیجئے جیسا کہ آپ سے قبل دوسرے اولوالعزم وصاحب ہمت لوگوں نے صبر کیا، صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیئے اور اگر اس پر بھی یہ جاہل اعتراض کریں تو آپ ان پر اپنے دل کو نہ کُڑھائیے لست علیھم بمصیطر ، آپ ان پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں ۔

جہاد کبیر

یہ بات اسلام کے منافی معلوم ہوتی ہے کہ پٹتے رہنے اور مصائب وتکالیف برداشت کرنے کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا، بات یہ نہیں، بلکہ خدا کا حکم یہ تھا کہ ہر قسم کی تکالیف ومصائب کو برداشت کرو اور زبان سے اف بھی نہ کرو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جواب نہ دیا جائے، جواب دیا جائے اور اس سے بھی سخت دیا جائے اگر تلوار سے جسم پر حملہ کیا جائے تو اس کا جواب زبان سے روح پر حملہ کر کے دیا جائے، اگر تکلیف پہنچائی جائے تو دین کی بات انہیں پہنچا کر تکلیف پہنچائی جائے، عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

جراحات السنان لھا التیام و لا یلتام ما جرح اللسان

یعنی نیزوں کے لگے زخم تو بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے لگے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں، ان کا اندمال نہیں، یہ زبان کا جہاد بڑا جہاد ہے، اسے جہاد کبیر کہا گیا ہے، کیونکہ وہ جہاد جو

تلوار لے کر کیا جاتا ہے اس میں منٹوں کا قصہ ہوتا ہے اور تکلیف بھی تھوڑی دیر کی، لیکن دین کی دعوت کا جو جہاد زبان سے کیا جاتا ہے وہ اذیت وتکلیف کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے اس میں تکلیفیں اور اذیتیں اٹھانا اور ہر لمحہ قتل ہونا ہے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے دریافت کیا بہادر کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جو حملہ کر کے قتل کردے، حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، جو اپنے نفس کو قتل کرے ، یہ دعوت کا کام جہاد کبیر ہے، اس میں انسان طعنے سنتا، گالیاں کھاتا، تکلیفیں اٹھاتا، مصیبتیں جھیلتا اور اذیتیں برداشت کرتا ہے اور میدان کارزار میں آدمی جا کر جنگ کرتا ہے پھر یا تو قتل کرتا یا قتل ہو جاتا ہے۔

انقلاب عظیم

اسلام نے اپنے متبعین کو صبر وتحمل کی تعلیم دے کر جُبن اور بزدلی کی دعوت نہیں دی، بلکہ بہادری اور اولوالعزمی کی طرف بلایا ہے اور اپنے مشن کیلئے ہر قسم کی تکلیف ومصیبت برداشت کرنے کیلئے آمادہ کیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ کامیابی وکامرانی شدائد ومصائب پر اسی طرح صبر وتحمل کرنے سے ملتی ہے، مکہ کی زندگی کو دیکھئے، تیرہ آدمی مسلمان ہوئے، یہ سب حضرت ارقمؓ کے گھر میں بند رہتے، زنجیریں چڑھائے رکھتے، عدد کے اعتبار سے بھی کم، شوکت وسطوت بھی ندارد، لیکن دین کی تبلیغ میں لگے رہے، حق کی طرف بلاتے رہے، تکلیفیں اور مصائب جھیلتے رہے اور اپنی زبان سے کفار کے قلب وجگر پر نشتر زنی کرتے رہے، بالآخر انکی پیہم سعی اور مسلسل کوشش سے ایک عظیم انقلاب آیا، اقلیت اکثریت میں بدل گئی، ذلت وخواری کی جگہ عظمت ورفعت نے لے لی، یہ تبدیلی تلوار کے جہاد سے رونما نہیں ہوئی تھی بلکہ زبان کے اس جہاد سے ہوئی تھی جسے جہادِ عظیم کہا گیا ہے اور کیسے ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ وہ لوگ مصائب کو جھیلا کئے مگر حوصلہ نہیں چھوڑا۔

آج کی ہماری زندگی مشابہ ہے مکہ کی زندگی سے، بالکل وہ حال تو نہیں جو وہاں تھا، یہاں ہماری جائدادیں ہیں، ہمیں قانونی حقوق حاصل ہیں، ہم جو پیشہ چاہیں اختیار کر سکتے ہیں لیکن اسلام کی شوکت اور اسلام کا حکم نہیں ہے تمدن وتہذیب کی ہر بات تسلیم کر لی جاتی ہے لیکن وہی بات خدا کے نام پر نہیں مانی جاتی، خدا کا نام لے کر کچھ نہیں منوایا جا سکتا، **و ما نقموا منهم الا أن يؤمنوا بالله العزيز الحميد**، سارا غصہ، سارا شکوہ صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا کا نام لیا جاتا ہے، یہاں مادہ پرستی ہے، وطن پرستی ہے، لیکن خدا پرستی نہیں ہے، اس زندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ آج ہم اور آپ تلوار سے طاقت پیدا نہیں کر سکتے بلکہ صرف خدا کی طرف دعوت دیکر طاقت وقوت پیدا کر سکتے ہیں، آج ہماری کامیابی وکامرانی اور فلاح اس دعوتی کام میں مضمر ہے، دعوت وتبلیغ کا یہ کام ہماری زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب لا سکتا ہے اور ہم میں وہ قوت پیدا کر سکتا ہے کہ جو ہم سے ٹکرائے پاش پاش ہو جائے۔

ہماری نجات کا ذریعہ

حق بات کو دوسروں تک پہنچانا اور دین کی تبلیغ واشاعت کا کام انتہائی امانت اور دیانت سے کرنا خدا کا حکم ہے اور خدا کا کام کرنے والا خدا کی نگرانی میں ہے، اگر دل میں یہ تصور جاگ اٹھے کہ خدا کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس بات کا ڈر اور کس کا خوف؟ گورنمنٹ کا ایک ادنی ملازم جب سرکاری کام پر ہوتا ہے تو وہ کتنا جری ہوتا ہے اس کی تمام جرأت صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ سرکاری ملازم ہے، اگر اس پر کوئی حملہ کرے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس نے سرکار پر حملہ کیا، یہی تصور دین کا کام کرتے وقت ہمارے دل میں ہونا چاہئے، ہم اس ملک میں اور ان حالات میں اگر اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو صرف مذہب کے نام سے اس کے علاوہ ہماری نجات کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشادفرماتے ہیں کہ : **والعصر انّ الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعمِلوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر .**

قسم ہے زمانہ کی، زمانہ چلا آرہا ہے اور چلا جائے گا، زمانہ مکانیت پر چھا گیا ہے، مکان اپنی جگہ قائم ہے اور زمانہ پیہم گردش میں ہے، سب سے زیادہ وسیع محترک زمانہ ہے، ازل سے قبل ہے اور انتہا کا علم نہیں، زمانہ کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہے، خدا تعالیٰ زمانہ کی قسم کھاتا ہے کہ انسان ٹوٹے اور گھاٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک اعمال کئے، ایمان لانے والے اور عملِ صالح کرنے والوں کے علاوہ تمام لوگ خسارہ اور نقصان میں ہیں۔

قوت ایمان

تاریخ دیکھ جائیے، آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک فتح ان ہی قوتوں کو ہوئی جو ایمان والے تھے اور جن لوگوں نے ایمان والوں کی مخالفت کی، ان کو تکلیفیں دیں، ایذائیں پہنچائیں وہ ذلیل وخوار ہوئے، فرعون، ہامان، شداد، ابوجہل، ابولہب اور ان جیسے تمام مال ودولت والے جنھوں نے اپنے اپنے وقتوں میں ایمان والوں کو ستایا، پریشان کیا اور ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کی لیکن انجام کار خود ہی ذلت وخواری سے دوچار ہوئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو ایمان والا بننا پڑے گا، قرآن پاک نے صاف الفاظ میں فرمادیا ہے: **لیس للانسان الا ما سعی** یعنی انسان کو اسکی سعی وکوشش ہی کام دیگی، کسی دوسرے کی سعی کام نہ آئے گی، لیکن اسکے برخلاف حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر ثواب دوسروں کو پہنچایا جائے تو ثواب دوسروں کو پہنچ جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک

کی سعی دوسرے کے کام آتی ہے، اس طرح حدیث وقرآن میں تعارض واقع ہوتا ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جو ایک خدا ترس عالم تھے، انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جلالین میں قرآن کی یہ آیت پڑھی اور حدیث کی ایک کتاب میں ایصال ثواب کی یہ حدیث دیکھی، دونوں میں تعارض نظر آیا، بہت سوچا، کتابیں دیکھیں، لیکن کسی طرح اس کا حل سمجھ میں نہ آسکا، رات کو سونے کیلئے گھر گیا اور سونے کیلئے لیٹ گیا، لیکن معاً یہ خیال آیا کہ اگر رات کو موت آگئی تو دوصورتوں میں سے ایک یقینی ہے یا تو حدیث کا انکار لازم آتا ہے یا پھر قرآن کا، اور ان دونوں صورتوں میں ایمان کی سلامتی نہیں، یہ خیال آتے ہی بستر چھوڑ دیا اور پیدل گنگوہ کا سفر کیا، ۲۲ کوس کا سفر رات بھر میں کر کے صبح تڑکے گنگوہ پہنچا، مولانا گنگوہیؒ جو کہ ضعیف ہوچکے تھے، بینائی جاچکی تھی، اس وقت وضو فرمارہے تھے فرمایا کہ کیوں آئے؟ میں نے عرض کیا کہ اس آیت اور حدیث میں تعارض واقع ہوگیا ہے اور اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا ہے، اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا: قرآن کی اس آیت **لیس للانسان الا ما سعی** سے نفس ایمان مراد ہے یعنی اگر کوئی شخص ایمان نہیں لائے تو کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہیں آئے گا اور حدیث سے مراد عمل ہے، ایمان کسی کو نہیں بخشا جاسکتا عمل بخشا جاسکتا ہے۔

عام تبلیغ ہر شخص پر ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ انسان خسارہ میں ہے مگر صرف اہل ایمان اور وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایک دوسرے کو حق وصبر کی وصیت کرتے ہیں اور دوسروں کو صالح ونیکوکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں، دین کی تبلیغ واشاعت کا کام اسی لئے شروع کیا گیا، کیونکہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ کام صرف علماء سے متعلق ہے، وہ مسائل جن میں

اختلاف ہوا نہیں نہ بیان کیا جائے بلکہ علماء اسکو بوقت ضرورت بیان کریں اور عام تبلیغ ہر شخص پر لازمی ہے، امت محمد یہ کے ہر فرد پر اس ذمہ داری کو لازم ٹھہرایا گیا ہے، ارشاد ہے:

کنتم خیر أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر

(آل عمران : ۱۱۰)، اس آیت میں اس امت کو مخاطب بنایا گیا ہے اور للناس کہا گیا ہے للمسلمین نہیں کہا گیا.

تبلیغ کیلئے جماعتوں کا طریقہ

ہندوستان میں اس وقت دعوت وتبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے شروع کیا، خدا تعالی نے ان کے قلب مبارک پر اس کا القاء کیا، انھوں نے تبلیغ کیلئے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا، کیونکہ دستور ہے کہ جب کچھ لوگ مل کر ایک بات کہتے ہیں یا کوئی کام کرتے ہیں تو اس کا اثر خاص طور پر پڑتا ہے، ایک ہی بات کو جب مختلف لوگ مختلف وقتوں میں کہتے ہیں تو اس کا اثر کبھی نہ کبھی تو ہوتا ہے، حق تعالی نے سورۂ یٰس میں ارشاد فرمایا ہے : **اذ أرسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعزّزنا بثالث فقالوا انا اليكم مرسلون.** (یس ۱٤) ، جب ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے تو انھوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہم نے تیسرا رسول بھیج کر ان کو سرفراز کیا، انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں.

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے دعوت کے کام میں جماعتی طریقہ اپنایا، کیونکہ انھوں نے محسوس کیا کہ آج کا دور اجتماعی دور ہے، کھیل کود، صنعت وتجارت و زراعت غرض ہر چیز میں اجتماعیت پائی جاتی ہے، ہر مسئلہ میں وفود جاتے ہیں میٹنگیس ہوتی ہیں، ہر جگہ جماعتی رنگ دکھلائی دیتا ہے، اس جماعتی ماحول میں انفرادی بات کا زیادہ اثر

نہیں ہوتا، یہی کچھ سوچ سمجھ کر مولانا مرحوم نے اس جماعتی کام کو جماعتی ڈھنگ سے شروع کیا جب جماعت بنا کر کچھ لوگ کسی آدمی کے پاس جاتے ہیں اور اس حال میں کہ کاندھوں پر بستر لدے ہوئے پیدل چل کر آرہے ہیں محنت ومشقت کے آثار چہرے سے ظاہر ہیں، لامحالہ وہ آدمی سوچتا ہے کہ یہ لوگ میرے پاس کیوں آئے؟ انہیں مجھ سے کوئی غرض و مطلب نہیں پھر کیا چیز ہے جو انہیں اس تکلیف کو برداشت کرنے پر آمادہ کر رہی ہے ضرور جو یہ لوگ کہتے ہیں وہ صحیح ہوگا، یہ چیز اسے بہت متاثر کرتی ہے.

تبلیغی جماعت اور انقلاب عظیم

میں نے شاید کہیں لکھا ہے کہ تبلیغ کو اللہ تعالی نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دل پر بطور فن کے القاء کیا، اس میں تعلیم وتربیت، سیر وسیاحت، روح کی دلچسپی، بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے، آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے، اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آرہا ہے، ہندوستان کے ہر خطہ میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی میں گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے، رسمی انداز میں اس عالم گیر طریقہ پر کام نہیں ہوسکتا، اور اس کے ساتھ نہ فتنہ وفساد ہے اور نہ واویلا اور شور، آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کہیں غدر کیا، کہیں فساد برپا کیا، یہ ایک خاموش تبلیغ ہے جو عالمگیر طریقہ سے ساری دنیا میں پھیلتی جارہی ہے اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے.

تبلیغ میں باہر نکلنے کا فائدہ

تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے، وہ گھر کے ماحول سے نکل کر

خدا کے گھر میں پہنچتا ہے، وہاں اسے دوسرا ماحول ملتا ہے، گھر کے ماحول میں اور اس ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے، یہاں اسے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے، وہ داعی بنکر آتا ہے اور عامل بنکر جاتا ہے .

مقصدِ تبلیغ

حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے علم حاصل کیا تھا غیر اللہ کیلئے مگر جب علم آگیا تو اس نے کہا کہ میں تو خدا کیلئے ہوں .

اس تبلیغی کام کا ایک نظام ہے، اور اوقات نکالنے کا ایک اصول ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ قلب کی صفائی ہو وہ تمام دنیوی آلودگیوں سے پاک ہو، تزکیۂ نفس ہو، انشراح قلبی ہو اور روحانی قوتوں کو جلا ہو، شیطانی قوتیں دبیں اور مغلوب ہو جائیں .

بے لوث خدمت

آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے، اس میں نہ عہدے ہیں، نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں ہیں اور نہ سیٹیں ہیں، بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے، اپنی ہی جیب پر بار ہے، یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کیلئے ایک بڑی پناہ گاہ ہے، کسی ریاست کی بنیاد ہوتی ہے توہمات اور تنازع للبقاء پر، لیکن یہاں اسکے برعکس ہے، یہاں تنازع للبقاء کے جگہ فناء للبقاء ہے اور توہمات کے جگہ محبت والفت ہے، ریاست کیلئے پارٹیاں بنائی جاتی ہیں اور یہاں خود بخود پارٹیاں بن جاتی ہیں .

دو پناہ گاہیں

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس دور میں مسلمانوں کیلئے صرف دو پناہ گاہیں

ایک دینی مدرسے اور دوسرے یہ تبلیغی کام، تعلیم والے باہر سے لوگوں کو لاکر ایک جگہ جمع کرتے ہیں اور پھر اپنی تعلیم دیتے ہیں اور یہ تبلیغ والے جمع شدہ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں .

دعوتِ شرکت

تبلیغی کام ایک ٹھوس اور بنیادی کام ہے، اس پر قوموں کے عروج وزوال کی بنیاد ہے جو لوگ اس تبلیغی کام میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے وقتوں کو لگاتے ہیں وہ مزید اس کام میں لگیں، اگر پہلے کم وقت لگاتے تھے تو اب اور زیادہ وقت لگائیں اور اس کام کو محنت اور جانفشانی سے کریں، جو کہیں اس پر خود عامل ہوں اور عمل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ سب سے بڑی دلیل عمل ہے اور عمل کے بڑے اثرات پڑتے ہیں .

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں ہر شخص اپنی بات کو خوشنما کر کے پیش کرتا ہے، لیکن اگر اس کا یہ قول عمل کے مطابق ہے تو ٹھیک ورنہ اس کیلئے ہلاکت وتباہی ہے، اسی طرح ہر کام کے کرنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور اس کی کچھ حدیں ہوتی ہیں، کام کو اس طرح کریں کہ دوسرے کے حقوق پامال نہ ہوں، اِنّ لِنَفسِکَ عَلَیکَ حَقًّا، انسان پر اسکے نفس کا، اس کی جان کا، اسکی بیوی کا، بچوں کا، آنکھوں کا، ہر ایک کا حق ہے، اگر ایک انسان ایک حق کو ادا کرے اور اس حق کے ادا کرنے میں دوسرے بہت سے حقوق پامال ہوں تو یہ خیر کی بات نہیں، خیر کی بات تو یہ ہے کہ حق بھی ادا ہو جائے اور دوسرے حقوق کی پامالی بھی نہ ہو، کھاؤ بھی کہ یہ نفس کا حق ہے اور روزہ بھی رکھو کہ خدا کا حق بھی ادا ہو جائے .

دعوتی کام کا نفع

آج دنیا میں اور خصوصاً ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے راہِ نجات اور فلاح وکامرانی کی راہ

یہی دعوتی کام ہے، اس کام نے قوموں کو بنایا اور سنوارا ہے، یہی کام کرنے والے پنپے ہیں، اور یہی کام کرنے والے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے گئے۔

اللّٰھم ربَّنا تقبَّل منّا اِنّکَ أنتَ السَّمیعُ العَلیم

و آخرُ دعوانا انِ الحمدُ للّٰہ ربِّ العالَمین

نشان منزل بھوپال

مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۶۷ء

جماعتی تبلیغ

تو اس دور میں اصلاح کا اور طریقہ اسکے سوا نہیں ہے، حق تعالی نے یہ طریقہ مولانا الیاس کے قلب مبارک پر وارد کیا، اور اس تیس چالیس برس کے اندر اندر جماعتیں پھیلیں، دنیا کا کوئی ملک جہاں جہاں ہمارا جانا ہوا ہم نے نہیں دیکھا کہ جماعتِ تبلیغ وہاں موجود نہ ہو (ص۱۴)

خطاب

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

مہتمم دار العلوم دیوبند رحمۃ اللّٰہ علیہ

ناشر

مدرسہ دعوۃ الحق دار الیتامی والمساکین 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

فہرست مضامین جماعتی تبلیغ

شمار	مضامین	صفحہ
۱	جماعتی تبلیغ	55
۲	جماعت میں مادی اور روحانی قوت ہوتی ہے	56
۳	جماعت تبلیغ کی برکت سے عمل کا ماحول پیدا ہوگیا	58
۴	ماحول کا اثر (تین ماحول)	60
۵	جماعت میں تربیتِ باطن بھی ہوتی ہے	63
۶	جماعتِ تبلیغ کی مقبولیت کے آثار	64
۷	تبلیغ دین میں جماعتی حیثیت کا رد کرنا مشکل ہوتا ہے	66
۸	تعلیم وتبلیغ کا باہمی تقابل نہیں ہے	66
۹	ایک اللہ والے کے اخلاص نے پوری دنیا کو متحرک کردیا	67

جماعتی تبلیغ

الحمد للّٰہ نَحمَدُہ و نَستعینه و نَستغفِرُہ ونُؤمِنُ به و نَتوکّل علیه ، ونعوذُ بـاللّٰہ من شُرورِ أنفسِنا و من سیئآتِ أعمالِنا ، مَن یهدہ اللّٰہُ فلا مُضلَّ له و مَن یُضلِلْہ فلا هادیَ له ، و نَشهد أن لا الٰہ الا اللّٰہ وحدَہ لا شریکَ له ، ونشهد أن سیـدَنـا و سندَنا و مولانا محمداً عبدہ و رسوله ، أرسله اللّٰہ الی کافةٍ للنّاس بشیرًا و نذیرًا ، و داعیاً الی اللّٰہ باذنه و سراجاً منیراً ، أما بعد

فـأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

و اضـرب لهم مثلا أصحب القریة ، اذ جاء ها المرسلون ، اذ أرسلنا الیهم اثنین فکذبوهما فعزنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون . (یس :۱۳ـ۱۴ پ۲۲)

صدق اللّٰہ العظیم

اب یہی صورت تھی کہ دین کو دوسروں تک کس انداز میں پہنچایا جائے ؟ تبلیغ کی جائے تو کس انداز سے کی جائے ، دعوت دی جائے تو کس انداز سے دی جائے ، یوں تو علماء دعوت دیتے آرہے تھے ، اور سلسلۂ دعوت برابر جاری تھا ، مگر زمانے کے حالات ہوتے ہیں ، آج کل جمہوریت پسندی کا زمانہ ہے ، جب تک کسی چیز کو جماعتی طور پر پیش نہ کیا جائے لوگ ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں ، ایک آدمی کتنا ہی ثقہ اور بڑے درجہ کا ہو ، وہ کہہ رہا ہے

---

[1] یہ بیان بروز جمعرات ۱۶/ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ ۱۶/نومبر ۱۹۷۸ء بعد نماز مغرب مسجد حفائر مکہ مکرمہ میں ہوا . پورے بیان کے بجائے اخیر سے اقتباس پیش کیا گیا ہے از خطبات حکیم الاسلام ص ۴۱۸ .

تو لوگ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کی بات ہے دو ہوں تو کہتے ہیں کہ خیر، اور جب جماعت ہو تو جھک مار کے مجبور ہوتے ہیں کہ جماعت مل کر غلط کیسے کریگی؟ بہر حال انفرادی طور پر برابر علماء دین پہنچاتے رہے، اگر نہ پہنچاتے تو آج مسلمان آپ کے سامنے کہاں سے آتے؟ انہیں کی محنتوں کا صدقہ ہے کہ آج ہم فخریہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ستر کروڑ مسلمان ہیں یہ انہیں کی جوتیوں کا صدقہ ہے، لیکن دین کے راستے تو بند نہیں، آئندہ بھی دین کو پھیلانا ہے.

جماعت میں مادی اور روحانی قوت ہوتی ہے

اب راستہ یہ آگیا کہ جب تک کوئی کام جماعتی طور پر نہ ہو لوگ نہیں مانتے، مادی چیزوں میں حتیٰ کہ کھیل کود میں بھی ٹیمیں بنتی ہیں، ہندوستان کی ہاکی کی ٹیم پاکستان کھیلنے جاری ہے، اور پاکستان کی ٹیمیں ہندوستان آرہی ہیں، وکلاء کو دیکھو تو ان کی ایک ٹیم ہے، ججوں کا ایک طبقہ ہے، مزدوروں کی ایک جماعت ہے، اگر مزدوروں کو کوئی شکایت ہو، ایک آدمی شکایت کرے کوئی نہیں مانتا، لیکن اگر یونین بنالیں تو جھک مار کے مانتے ہیں، ماننے پر مجبور ہوتے ہیں، تو آج کا دور ہی جماعتی رنگ کا ہے.

یہ الگ بات ہے کہ آج کس قسم کی جمہوریت ہے، اسلام نے کس قسم کی جمہوریت پھیلائی ہے، وہ الگ بحث ہے، اس میں ہم پڑنا نہیں چاہتے، مگر بالاجمال یہ ہے کہ جب تک جمہوریت اور جماعتی رنگ پیش نہ ہو وہ چیز قابل قبول نہیں ہوتی، لوگ اس کے اوپر مطمئن نہیں ہوتے، زمانہ کے حالات ہیں، اب اگر دین پہنچانے ایک آدمی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ ہاں بھئی! نیک آدمی ہے، لیکن اگر جماعت چلی جائے تو دباؤ پڑتا ہے کہ ہے کچھ بات، قرآن نے اسکی اصل بتلائی ہے، فرمایا: **واضرب لهم مثلا أصحابَ القرية**

اے پیغمبر! آپ اصحاب قریہ کی مثال بیان کر دیجئے.

ایک خاص قریہ اور بستی کیلئے فرمایا گیا کہ آپ مثال بیان کر دیجئے: **اذ جاء ها المرسلون**، جبکہ اللہ کے نبی اس کے اندر ہدایت کرنے کے لئے پہنچے، آگے فرمایا: **اذ أرسلنا اليهم اثنين**، ہم نے اس قریہ میں دو رسول بھیجے کہ جا کے ہدایت کرو، تبلیغ کرو، اللہ کے احکام پہنچاؤ، **فكذبو هما** ان دونوں کو انھوں نے جھٹلا دیا، فرماتے ہیں: **فعززنا بثالث**، ہم نے انہیں قوت دی اور ایک تیسرے کا اضافہ کیا، اب جماعتی حیثیت ہوگئی، **الاثنان فما فوقهما جماعة**، دو آدمی یا اس سے بڑھ جائیں تو جماعت کے حکم میں آجاتے ہیں، جماعت کا رد کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، فرد واحد کی بات کو آپ رد کر سکتے ہیں، کہ شاید شک یا شبہ میں پڑ گیا ہوگا، لیکن جب تین چار مل کر کہیں گے اور ایک دوسرے کی تائید کریں گے پھر یہ وسوسے قطع ہو جاتے ہیں کہ اس سے غلطی ہوگئی ہوگی، غلطی ہوتی تو چار ملکر غلطی پر کیسے قائم ہوتے؟ عقلا و عادة محال ہے.

ظاہر بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں جو تعدد پیدا کیا گیا، وہ اسلئے نہیں کہ ایک نبی کی قوت کافی نہیں، انبیاء سارے کے سارے جامع کمالات ہوتے ہیں، ان سے بڑھ کر روحانیت میں کون قوی ہوسکتا ہے؟ تو جہاں تک حق کا جان لینا ہے اس کے لئے ایک نبی بھی کافی ہے، پھر یہ ایک کے ساتھ دوسرا کیوں بھیجا گیا؟ عوام کی رعایت کی گئی کہ وہ مان لیں، ورنہ فی نفسہ ایک نبی بھی کافی ہے، مگر جب دو کو بھی جھٹلایا گیا تو فرمایا: **فعززنا بثالث** ہم نے تیسرے کا اور اضافہ کیا، اب جماعت بن گئی، جماعت کا جھٹلانا انسان کی عقل سے باہر ہوتا ہے، کتنا بھی معاند ہوگا مگر جب جماعت کہے گی تو پھر کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا کہ بھئی! کچھ تو بات سچی معلوم ہوتی ہے، سارے آدمی مل کر جمع ہو کر آئے ہیں، تو جماعتی حیثیت غالب ہوتی ہے، اور ایک حدیث میں بھی ہے کہ **يد الله على الجماعة**،

الله کا ہاتھ جماعت کے سر پر ہوتا ہے، یعنی قوتِ خداوندی جماعت کی پشت پر ہوتی ہے، فرد واحد سے الگ رہ سکتی ہے مگر جماعت کے اوپر ہوتی ہے.

حتی کہ بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں۔حدیث تو نہیں ہے تجرباتی بات ہے۔کہ اگر چالیس آدمی مسلمان جمع ہو جائیں، ان میں کوئی نہ کوئی ایک آدھ ضرور مقبولِ خداوندی ہوتا ہے، چالیس آدمی جب آئیں گے تو ایک کی مقبولیت سب میں کام کرے گی، اور اس چیز کو مقبول بنادے گی، بہر حال تعداد اور جماعتی رنگ میں ایک برکت کا اثر ہے، مادی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی، مادی طور پر یوں کہ افراد بڑھ گئے، انکار کی گنجائش نہیں رہی، اور روحانی طور پر اسطرح کہ جتنے اہل حق بڑھ جائیں گے حق ہی کو قوت پہنچے گی، حق میں اضافہ ہوگا، غرض جماعت ہی ایک ایسی چیز ہے جو مادی طور پر بھی مضبوط ہوتی ہے اور روحانی طور پر بھی مضبوط ہوتی ہے .

جماعتِ تبلیغ کی برکت سے عمل کا ماحول پیدا ہو گیا

ہمارے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ' ان کے قلب پر اللہ نے تبلیغ کو ایک فن کی صورت میں القاء فرمایا، تبلیغ ہو رہی تھی علماء دعوتیں بھی دے رہے تھے .

مولانا کے قلب پر اللہ نے الہام فرمایا، اور انہوں نے ایک طریقہ مقرر کیا جو اس زمانہ میں مؤثر ہو اور اس میں جماعتی رنگ ہو، کہ ایک ایک فرد نہ جائے جماعتیں جائیں لوگوں کو گھروں سے نکال کر لائیں اور جماعت بناؤ، جماعتی طور پر جب آپ گشت کریں گے اور جماعت ایک زبان ہو کر ایک ہی بات کہے گی، قدرتی طور پر اسکا اثر پڑے گا، کوئی معاند ہو، کوئی دشمن ہو نہ مانے، دنیا میں ہر زمانہ میں معاند اور دشمن رہے ہیں مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، عقل والوں کا اعتبار ہے، عقل مندوں کے سامنے جماعتی حیثیت کبھی نظر انداز ہونے

کے قابل نہیں ہوتی، تو مولانا کے قلب پر اللہ نے اس طریقہ کو القاء فرمایا.

جب انسان جماعت کے ساتھ چل پڑتا ہے تو گھر میں عمل سے روکنے والی چیز گھر کی آسائشیں اور راحتیں ہی تو ہوتی ہیں، گھر میں آرام کرتا ہے تو کبھی نماز چھوٹ گئی، کبھی کوئی عمل چھوٹ گیا لیکن جب گھر سے نکل گیا تو سامان راحت ہی منقطع ہو گیا، اب سوائے اللہ کے نام کے اور کوئی کام باقی نہیں رہ گیا، گھر میں سے نکل کر جب مسجد میں آ گیا، اب اللہ کا نام نہیں لے گا تو اور کیا کرے گا؟ گویا عمل کرنے اور اللہ کا نام لینے پر مجبور کر دیا، تو فقط یہی نہیں کیا کہ دعوت الی اللہ کی جماعتی صورت قائم کی بلکہ ایک عملی صورت بھی قائم کر دی کہ ہر شخص عبادت پر مجبور ہو .

اس واسطے کہ ماحول کا ایک اثر پڑتا ہے، ماحول جب اللہ والوں کا ہوتا ہے تو آدمی خواہ مخواہ اللہ کا نام لینے پر مجبور ہوتا، حضرت گنگوہیؒ بارات کے سلسلہ میں تھانہ بھون گئے تھے، ایک شادی میں شرکت کرنی تھی، جیسے بارات والوں کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی بزرگ ہو تو اس سے ملتے جاتے ہیں، حضرت حاجی امداد اللہؒ تھانہ بھون میں موجود تھے، باراتیوں نے کہا کہ چلو بھئی! حاجی صاحب سے بھی مل لیں، بزرگ آدمی ہیں، مولانا گنگوہیؒ حاضر ہوئے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مولانا گنگوہیؒ کو فراستِ باطنی سے پہچان لیا کہ اس شخص کے قلب کے اندر کوئی جوہر موجود ہے، خود فرمایا: کہ کسی سے مرید ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، فرمایا: مجھ سے ہی ہو جاؤ، یعنی کس تیقن سے فرما رہے ہیں کہ مجھ ہی سے مرید ہو جاؤ، انہوں نے کہا مرید ہونے کیلئے میں آیا نہیں میں تو بارات میں آیا ہوں، فرمایا: ان دونوں میں کوئی تضاد تھوڑا ہی ہے؟ ٹھیک ہے بارات میں آئے تھے اب مرید ہو جاؤ.

انہوں نے کہا میں مرید ہو جاؤں گا تو آپ کہیں گے یہاں رکو اور اللہ اللہ کرو، یہ میرے لئے بڑا مشکل ہے، میں بچوں کو پالوں گا یا یہاں بیٹھ کر ذکر اللہ میں مشغول رہوں گا، فرمایا یہ تو

ہم نہیں کہتے کہ تم یہاں ٹھہرو، اب حضرت حاجی صاحب بار بار فرما رہے ہیں کہ تم بیعت ہو جاؤ اور مولانا گنگوہیؒ بار بار انکار کر رہے ہیں ،لیکن بالآخر بیعت ہو گئے .

اس کے بعد فرمایا کہ بس ایک چالیس دن میرے پاس ٹھہر جاؤ،عرض کیا اسی لئے تو میں بیعت نہیں ہوتا تھا کہ میں نہیں ٹھہر سکتا،فرمایا چلو بیس دن ٹھہر جاؤ،انھوں نے کہا میرے پاس بیس دن بھی نہیں ہیں،فرمایا دس دن ہی ٹھہر جاؤ، ہوتے ہوتے آخر تین دن پر بات آئی کہ میں تین دن ٹھہر جاؤنگا، مجھے سنانا یہ تھا کہ بارات تو رخصت ہوگئی مولانا گنگوہیؒ آکر تین دن کیلئے خانقاہ میں مقیم ہوگئے، رات کو جب تین بجے، کسی نے تہجد پڑھا، کسی نے ذکر اللہ کیا، اب پڑے پڑے شرم آئی کہ سارے تو اللہ اللہ کر رہے ہیں اور میں پڑا سوتا ہوں، تو خود بھی اٹھ کر وضو کیا اور چار رکعتیں پڑھیں، اگلے دن ارادہ کیا کہ اب میں نہیں پڑھوں گا چاہے کوئی اٹھے نہ اٹھے، تو سو گئے، جب رات کے تین بجے لوگ اٹھے، تو ارادہ کیا کہ میں نہیں اٹھوں گا مگر ماحول سے مجبور تھے اٹھنا پڑا تو کچھ تہجد پڑھا، اللہ اللہ بھی کی، جب اسی طرح تین دن ہو گئے اور قلب پر اس کا اثر نمایاں ہوا تو حاجی صاحب سے عرض کیا حضرت اگر آپ اجازت دیں تو کچھ اور ٹھہر جاؤں؟ فرمایا ہم نے تو ٹھہرنے کو نہیں کہا تھا، تمہاری مرضی ہے، پھر دس دن ٹھہرنے کا ارداہ کیا، پھر بیس دن، پھر یہ نہ معلوم ہوا کہ چالیس دن یا کتنے دن وہاں ٹھہرے لیکن بہر حال خلافت لے کر وہاں سے واپس ہوئے .

تو مولانا الیاس صاحبؒ نے جہاں ایک جماعتی رنگ بنایا وہاں ایک ماحول بھی تیار کیا، اس ماحول کے اثر سے آدمی مجبور ہوگا کہ آدمی ذکر اللہ کرے .

ماحول کا اثر

میں نے اپنی عمر میں تین ماحول دیکھے ہیں ایک دارالعلوم دیوبند کا ماحول، ایک گنگوہ کا

ماحول، اور ایک تھانہ بھون کا ماحول، میری عمر آٹھ نو برس کی تھی تو گنگوہ کا ماحول یہ تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ روئں روئں سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے، ہر ایک سے ذکر اللہ، ہر ایک سے اللہ اللہ، اس کا اثر کیا تھا؟

گنگوہ میں خانقاہ کے سامنے ایک بہت بڑا تالاب ہے اور شہر کے سارے دھوبی اس میں کپڑے دھوتے ہیں، تو ساٹھ ستر دھوبیوں کے کپڑے وہاں رکھے ہوئے ہیں، اور بڑے بڑے مٹی کے کنڈے رکھے ہوئے ہیں، جس پر وہ کپڑوں پر پانی ڈالکر مارتے ہیں، اب دھوبی بیچارے بے پڑھے لکھے جاہل، جو کسی چیز سے واقف نہیں، لیکن میں نے دیکھا کہ انھوں نے کپڑا اچھالا اور اس پر مارا اور ہر ضرب کے ساتھ الا اللہ الا اللہ، سارا تالاب گونج اٹھا، حالانکہ وہ جاہل واجہل تھے لیکن یہ ماحول کا اثر تھا، خانقاہ سے جو ہر وقت آواز آتی تھی تو دھوبیوں میں بھی وہ اللہ اللہ کی آواز چل پڑی، وہ بھی ہر ضرب کے ساتھ الا اللہ کا نعرہ لگاتے تھے، یہ تو وہاں کے ماحول کا اثر تھا.

دارالعلوم دیوبند میں یہ دیکھا کہ وہاں بے نمازی رہنا بڑا مشکل ہے، اسلئے کہ ہر نماز کیلئے ایک ڈیڑھ ہزار آدمی حجروں سے نکل کر مسجد میں آئیں گے تو کوئی کہاں تک بے نمازی رہے گا، خواہ مخواہ شرما شرمی نماز پڑھے گا، تو یہاں بے نمازی رہنا بڑا مشکل ہے، اتفاقاً کسی کی قضا ہو جائے وہ الگ چیز ہے، لیکن تارک نماز بنجائے یہ ممکن نہیں، یہ ماحول کا اثر ہے، نماز پڑھنے پر مجبور ہے .

تھانہ بھون کا یہ ماحول دیکھا کہ معاملات کی سچائی، دیانت اور تقوی، وہاں ہر طرح کے لوگ مقیم تھے، امیر بھی غریب بھی، کسی حجرے کو ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی تالا لگا کر گیا ہو، ایک شخص کو بھی شکایت نہیں ہوتی تھی، وہاں تعلیم یہ ہوتی تھی، دیانت اور تدین پر قائم رہو، ایک کو دوسرے سے تکلیف نہ پہنچے، حتی کہ اگر کسی کی کوئی چیز گر گئی، اس کی بھی اجازت

نہیں تھی کہ اسے اٹھا کر حفاظت سے رکھو، یہیں پڑی رہنے دو، ممکن ہے وہ چیز والا آئے اور وہاں سے اٹھا کر لے جائے، ایک شخص تولیہ بھول گیا تین دن تک مسجد کے فرش پر پڑا رہا، تیسرے دن وہ آیا اور اپنا تولیہ اٹھا کر لے گیا، یہاں دیانت، صفائی اور سچائی معاملات پر زور تھا، یہاں کے ماحول میں بد دیانت رہنا مشکل تھا۔

دارالعلوم کے ماحول میں بے نمازی رہنا اور گنگوہ کے ماحول میں رہ کر غافل رہنا مشکل تھا، ذکر اللہ کی کچھ نہ کچھ توفیق ہوتی تھی، ماحول کا قدرتی اثر ہوتا ہے جو قلب کے اوپر پڑتا ہے، یہ مولانا مرحوم کی فراستِ باطنی تھی کہ جماعتی حیثیت قائم کر کے ایک ماحول بنایا، گھروں سے نکال کر اللہ کے گھر میں لوگ جمع ہوں، کوئی چلہ دے گا، کوئی دو چلے دے گا، کوئی دس دن، کوئی بیس دن، ایک جمگھٹ جمع ہوں گے، اب جب سارے مل کر ذکر اللہ کریں گے تو ایک آدمی کیسے ان میں سے غافل رہے گا، وہ خواہ مخواہ اللہ کا نام لینے پر مجبور ہوگا، تو عمل کا راستہ بھی ڈال دیا، فقط تعلیم و تربیت ہی کا راستہ نہیں، بلکہ عملی راہ بھی ہموار کر دی، تو جماعتی حیثیت اس لئے ڈالی تا کہ لوگ اس کو قبول کریں، انفرادی بات کم قبول کرتے ہیں، اور ماحول اسلئے بنایا کہ جماعت کے لوگوں میں خود دین راسخ ہو، یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت میں جانے والے کی کایا پلٹ جاتی ہے، پہلے بے نماز تھے، اب نمازی بن گئے، یہ تھوڑا اثر ہے؟ قدرتی من جانب اللہ اثر ہے، جب اس صحبت اور ماحول میں آئے گا ممکن نہیں کہ آدمی اثر قبول نہ کرے۔

حدیث شریف میں نیک صحبت کی مثال عطار کی دکان سے دی گئی ہے، عطار کی دکان سے اگر آپ عطر نہ بھی خریدیں کم سے کم خوشبو تو آ ہی جائے گی، دماغ میں فرحت تو ہو ہی جائے گی، اور بری صحبت کی مثال لوہار کی دکان سے دی گئی ہے، لوہار کی دکان پر جاؤ گے تو کالک ہی کپڑوں کے اوپر لگ جائے گی، کوئی پتنگا ہی آ لگے گا، کپڑا ہی جل جائے گا، کچھ نہ

مراد چنگاری

کچھ مضرت پہنچے گی، تو نیک صحبت سے ہمیشہ پاکیزہ اثرات پھیلتے ہیں اور بری صحبت سے برے اثرات پھیلتے ہیں۔

جماعت میں تربیتِ باطن بھی ہوتی ہے

حضرت مولاناؒ نے نیک صحبت کا ڈھنگ ڈال دیا کہ خواہ مخواہ ہی نیک بنے، ارادہ بھی نہ کرے تب بھی نیک بننے پر مجبور ہوگا، کچھ ذکر اللہ، نماز اور روزے میں لگا، کچھ دیانت پیدا ہوئی، کایا پلٹ گئی، اتنے حالات بدل گئے، تو اور آپ کیا چاہتے ہیں؟ پھر ایثار اور ایثار کے ساتھ قناعت، ان چیزوں کی بھی تعلیم موجود ہے جو تربیت باطن ہے۔

اسلئے کہ جب آپ باہر جائیں گے تو گھر کا سارا سامان تو لے جا نہیں سکتے، زہد کی شان پیدا ہوگی، پھر جب تک جڑے رہیں گے تو ایک دوسرے کی اعانت بھی کریں گے تو ایثار کا جذبہ بھی پیدا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جماعت میں خدمت گزاری کا جذبہ، ایثار کا جذبہ، ہر ایک کی خدمت کیلئے کھڑے ہو جانا، یہ جذبہ پایا جاتا ہے، جو جماعت کی برکت سے من جانب اللہ پیدا ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایمان دو چیزوں کا نام ہے : **التعظیم لامر اللّٰہ ، و الشفقة علی خلق اللّٰہ**، اللہ کے اوامر کی تعظیم دل میں بیٹھ جائے اور مخلوق کی خدمت کا جذبہ دل میں پیدا ہو جائے، جماعتوں میں نکلنے سے بحمد اللہ اللہ کی عظمت بھی دل میں بیٹھتی ہے اور خدمتِ خلق کا جذبہ بھی ابھرتا ہے، ایک دوسرے کی اخلاص کے ساتھ خدمت گزاری کا جذبہ ابھرتا ہے، جو لوگ اپنا خرچ کر کے ملکوں میں جائیں گے ظاہر بات ہے کہ وہ ایثار ہی کر رہے ہیں، ایثار کا پہلا درجہ تو یہ ہے کہ اللہ کے راستہ میں اپنے خرچ پر نکلیں، جو اپنا خرچ کرنے پر آمادہ ہے وہ دوسرے کی خدمت سے کیسے گریز کریگا، خود بخود خدمت خلق اللہ کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔

جماعتِ تبلیغ کی مقبولیت کے آثار

تو اس دور میں اصلاح کا اور طریقہ اس کے سوا نہیں ہے، حق تعالی نے یہ طریقہ مولانا کے قلب مبارک پر وارد کیا، اور اس تیس چالیس برس کے اندر اندر جماعتیں پھیلیں، دنیا کا کوئی ملک جہاں جہاں ہمارا جانا ہوا ہم نے نہیں دیکھا کہ جماعتِ تبلیغ وہاں موجود نہ ہو، لندن، فرانس، امریکہ، اور افریقہ میں جگہ جگہ موجود ہے، یہ من جانب اللہ مقبولیت کی بات ہے، کہ اللہ کا نام لینے والے ہر جگہ پہنچ جائیں، اور خدا کے نام کی منادی دیں اور اعلان کریں، یہ آثارِ مقبولیت ہیں۔

اور میرا مقصد یہ ہے کہ یہ بناء ڈالنے والے خود مقبولانِ الٰہی ہیں، لوگ کچھ اعتراض کیا کرتے ہیں، لیکن بشری کارخانہ کونسا ایسا ہے جس پر اعتراضات نہیں ہوتے، مگر میں سب کا جواب ایک ہی دیتا ہوں کہ بھئی! ایک عارف باللہ کے قلب میں یہ چیز من جانب اللہ آئی ہے اس واسطے وہ امر خیر ہے، اگر یہ کسی لیڈر کے ذہن میں آتی، میں سمجھتا یہ کوئی سیاسی مصلحت ہوگی، کسی وطنی آدمی کے ذہن میں آتی، میں سمجھتا کوئی وطنی مصالح ہوں گی، لیکن ایک اللہ والے کے دل پر یہ چیز وارد ہوئی، اس میں فی الحقیقت خیر ہی خیر ہے، اس میں من جانب اللہ برکات کے آثار ہیں، تو سب جوابوں کا ایک جواب ہے کہ اس سلسلہ کو اہل اللہ نے اٹھایا ہے اس میں ان شاء اللہ خیر ہے۔

جماعتوں کا نکلنا، اس میں لوگوں کی اصلاح ہو جانا، یہ خود اس کی دلیل ہے کہ اس کی برکات پھیل رہی ہیں، ملکوں کے اندر پھیل رہی ہیں۔

ہم فرانس میں گئے، وہاں پر ظاہر ہے کہ میرا تو کوئی تعارف نہیں تھا، ہم پہنچے، ہوائی اڈے پر سینکڑوں آدمی استقبال کیلئے موجود ہیں، مجھے حیرت ہوئی کہ میرا تو کوئی تعارف

نہیں، پہلی دفعہ آنا ہوا ہے، بہر حال وہ سمجھے کہ ہمارا ایک خادم آرہا ہے، ہم سب چلیں، وہ ہوائی اڈے پر آگئے، اب یہ ایثار اور خدمت، یہ جذبۂ خدمت ہی کی بات ہے، ورنہ میں کیا چیز تھا، ایک معمولی آدمی، میری کوئی حیثیت نہیں، مگر محبت میں یہ سب آگئے، جگہ جگہ یہی دیکھا۔

اب انھوں نے کہا کہ تقریر بھی کرو، ایک جلسہ بھی منعقد کیا، وہاں سارے عرب تھے، میں نے کہا کہ مجھ میں عربی بولنے کی قدرت نہیں ہے، کتابوں میں پڑھی تھی، مگر بولنے کا تعلق تو مشق سے ہے، کتاب سے نہیں ہے، میں نے کہا میں اردو میں تقریر کروں گا کوئی صاحب بعد میں ترجمہ کریں، مگر وہاں کے عربوں نے کہا کہ ہم عربی میں تقریر سنیں گے، چاہے پانچ ہی منٹ ہو، تو صاحب وہاں پھر عربی میں تقریر بھی کی، پندرہ بیس منٹ ٹوٹی پھوٹی جو سمجھ میں آئی وہ کردی، بہر حال ہر جگہ امریکہ وغیرہ میں یہی دیکھا، ہر جگہ جماعت موجود، بغیر مقبولیت من جانب اللہ کے یہ چیز پیدا نہیں ہوسکتی کہ قلوب پر الگ اثرات ہیں، عمومیت الگ ہے، ملکوں میں پھیل جانا الگ ہے، یہ ساری چیزیں اس کی دلیل ہیں کہ اللہ کی طرف سے یہ سلسلہ اتارا گیا، اور یہ مقبول خداوندی بھی ہے۔

برما میں جب جانا ہوا تو میں نے دو ہی چیزوں پر زور دیا ایک تو یہ کہ بقدر ضرورت تعلیم دو تاکہ مسائل معلوم ہوں، سب کا عالم بننا ضروری نہیں جزوی طور پر عالم ہونا فرض کفایہ ہے، اگر ہزاروں میں سے ایک بھی بن گیا پوری جماعت کا فرض ادا ہوگیا، لیکن دیندار بننا ہر ایک پر فرض ہے، اور دینداری کیلئے کچھ ابتدائی مسائل کا جاننا بھی ضروری ہے، اس واسطے ابتدائی تعلیم اور اسکے ساتھ پھر سلسلۂ تبلیغ کے اندر لگو، اس سے تمہارے قلوب کی بھی اصلاح ہوگی، اعمال کی بھی اصلاح ہوگی، اور دین بھی پھیلے گا، اسکی اشاعت ہوگی۔

بحمد اللہ جماعت کے اثرات وہاں محدود نہیں بلکہ پھیل رہے ہیں، اور پوری دنیا میں

پھیل رہے ہیں، یہ حق تعالی کا فضل واحسان ہے .

تبلیغ دین میں جماعتی حیثیت کا رد کرنا مشکل ہوتا ہے

تو آیت میں نے یہ پڑھی تھی کہ ہم نے رسول بھیجے، دو کو انھوں نے جھٹلا دیا، تو ہم نے تیسرے کا اضافہ کیا، یہ جماعتی صورت پیدا ہوگئی، جماعتی حیثیت کا ٹھکرانا بڑا مشکل ہوتا ہے، تو تبلیغ دین میں جب جماعتی حیثیت ہوگی تو اس کا رد کرنا مشکل ہوگا، ماننا نہ ماننا عمل کرنا نہ کرنا تو لوگوں کے اختیار میں ہے، لیکن عقلی طور پر اس کو کوئی رد کرے یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک جماعتی آواز ہے، یہ ممکن نہیں کہ رد کی جاسکے .

بحمد اللہ یہ اللہ تعالی نے جماعت کو توفیق دی، اور جماعت کے ساتھ جو بھی وابستہ ہوا ان کو توفیق دی ، اور اس توفیق سے بڑا کام ہوا .

تعلیم وتبلیغ کا باہمی تقابل نہیں ہے

میں تو کہا کرتا ہوں یہ جماعت اس وقت ہمارے لئے آبرو ہے، اگر کوئی ہم سے کہے کہ بھائی! تم نے تبلیغ کیوں نہیں کی؟ ہم کہیں گے کہ ہماری جماعت تبلیغ کر رہی ہے، فرق اتنا ہے کہ کوئی جماعت تعلیم میں لگی ہوئی ہے کوئی تبلیغ میں لگی ہوئی ہے، یہ تقسیم عمل ہے، تقسیم عمل سے عمل دو نہیں ہوتے ، بنیاد سب کی ایک ہوتی ہے، اب دار العلوم میں ایک جماعت منتظمین کی ہے، وہ درس نہیں دے سکتی، مدرسین کی جماعت انتظام نہیں کر سکتی، یہ دونوں مدِ مقابل تھوڑا ہی ہیں، جو جماعت انتظام کر رہی ہے وہ مدرسین کو تقویت پہنچا رہی ہے، جو درس دے رہے ہیں وہ منتظمین کو تقویت پہنچا رہے ہیں، تو جو جماعت تبلیغ کر رہی ہے وہ جماعتِ تعلیم کو تقویت پہنچا رہی ہے .

میں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خود ان کا مقولہ سنا، ان کی شان عجیب تھی، فرمایا: بھائی! یہ سلسلہ میں نے اس لئے جاری کیا ہے کہ مدرسوں کو طالب علم ملیں اور مشائخ کو مرید ملیں .

اس واسطے یہ سلسلہ جاری کیا ہے تاکہ علم بھی پھیلے اور اخلاق بھی درست ہوں .

اور مولانا مرحوم اس حد تک متواضع تھے کہ جب یہ کام ابتداءً شروع ہوا تو ہر چھ مہینے کے بعد کچھ وقت دہلی کے باہر مدارس میں گزارتے تھے، کچھ دار العلوم دیوبند میں، کچھ مظاہر العلوم میں، اور غایتِ تواضع سے فرماتے: کہ بھائی اتنا کام تو میں نے کرلیا، اب بتاؤ آگے کیا کروں؟ حالانکہ وہ خود ہی جاننے والے تھے، ان کے قلب پر یہ چیز وارد ہوئی تھی، لیکن تواضع کی انتہاء تھی کہ دوسروں سے پوچھتے، حتی کہ ہم جیسے چھوٹوں سے کہتے کہ بھئی! اب آگے مجھے کیا کرنا چاہئے ؟

ہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ پوچھ رہے ہیں، آپ تو خود دوسروں کیلئے رہنما ہیں، مگر یہ کمال تواضع تھا کہ سب کچھ کر کے بھی سمجھتے تھے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا، اور چھوٹوں سے مشورہ لیتے تھے، یہ ان کی شان تھی .

ایک اللہ والے کے اخلاص نے پوری دنیا کو متحرک کردیا

اور ایک دھن تھی، اور ایسی دھن تھی کہ کسی کو کھانے اور سونے کی نہیں ہوسکتی، وہی دھن اللہ کی طرف سے ڈالی گئی تھی، وہی دھن اور جذبہ ہے کہ جماعت آج تک حرکت میں ہے، ایک اللہ والے کے قلب کے اخلاص نے سب کو متحرک بنا رکھا ہے .

بہر حال جماعت بھی مبارک ہے، اسکا کام بھی مبارک ہے، اور جتنا زیادہ کیا جائے، جتنی اس میں شرکت زیادہ ہو وہ ان شاء اللہ باعثِ خیر و برکت ہوگی، جتنا وقت ہے دو،

چلہ لگاؤ، دو چلے لگاؤ، جو وقت لگائیں گے وہ ان شاءاللہ خیر ہی خیر پائیں گے کوئی برائی اور شر نہیں ہوگی، دین بھی درست ہوگا، اور دنیا بھی ان شاءاللہ درست ہوگی.

بس چند باتیں مجھے عرض کرنی تھیں

اللّٰهم صلِّ على سيِّدِنا و مولانا محمدٍ و آلِه و أصحابه و بارِک و سلِّم

و آخر دعوانا انِ الحمدُ للّٰه ربِ العالمين

مواعظ ثلثه

تبلیغی جماعت اور اصلاح نفس

ص 2

تعلیم و تبلیغ

ص 38

جماعتی تبلیغ

ص 52